UNIVERSAL LIBRARY

OU_188035

UNIVERSAL LIBRARY

199036

دختر شاہم ولیکن رو بہ فقر آوردہ ام -
زیب و زینت بس ہمینم نام من زیب النسا ست

حیات زیب النسا

جسمیں اس مشہور شاعرہ کی زندگی کی مکمل حالات درج ہیں

مولفہ

منشی محمد دین صاحب خلیق مترجم پیسہ اخبار لاہور -

بفرمائیش

منشی محمد عبد العزیز صاحب منیجر کارخانہ پیسہ اخبار لاہور

تیسری مرتبہ سنہ ۱۹۰۵ء میں

مطبع خادم التعلیم لاہور میں منشی محمد عبد العزیز منیجر کی اہتمام سے چھپی

قیمت فی جلد ۸؍

Checked 1965.

نذر

بخدمت

جناب مولانا مولوی محمد حسن صاحب جالندھری دام ظلکم

معظمی مکرمی

یہ تو میں بخوبی جانتا ہوں کہ اس ناچیز تالیف کو جناب کے نام نامی کے ساتھ منسوب کرنے میں کسی طرح سے جناب کے اس اعلیٰ درجے اعزاز اور شہرت میں جو جناب کو پہلے سے حاصل ہے کسی قسم کی ایزادی نہیں ہو سکتی لیکن اس خیال سے کہ جناب کے نام کے ساتھ ان پریشان اوراق کی عزت ہو جائیگی میں بصد عجز و نیاز اس کتاب کو جناب کے نام پر ڈیڈیکیٹ کرتا ہوں۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

خاکسار محمد دین خلیق۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مسئلہ سے تمثیل کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔ اور سوانح عمری لکھنے کی غرض بھی یہی ہوتی ہے۔ ہمارے ان اوراق کی ہیروئین ایک شاہزادی ہے جو ہر قسم کی آسایش زمانہ اُسکو حاصل تھے۔ کون اُن تک پہنچ سکتا ہے۔ تاہم ایک ایسے کیرکٹر کا صفحات قرطاس پر زبان کے لباس میں عوام کے سامنے پیش کرنا کچھہ کم اثر نہیں رکھتا ایک ایسی صاحب کمال عورت کا حال جو اپنے زمانہ میں بلند پروازی اور نازک خیالی کی باعث کچھہ کم رتبہ اہل علم میں نہ رکھتی تھی نہ صرف زبان کے ذخیرہ واقفیت میں ازدیاد کا باعث ہے بلکہ ملک کی اخلاقی ترقی کے لئے زبردست پایہ رکھتا ہے۔

اہل مغرب اپنے مشاہیر کی جو کچھہ قدر کرتے اور اُنکی کوششوں کا جو حق انصاف ان سے ادا ہوتا ہے وہ لاریب قابل داد ہے۔ وہ اپنی چھوٹی سے چھوٹی قومی عزت کو اس قابلیت سے رنگ چڑھاتے ہین کہ خواہ مخواہ پبلک سے تحسین کرا لیتے ہین برخلاف اس کے ہمارے ملک والے اپنے لوگونکی ذرا بھی پرواہ نہین کرتے اور ان سے اتنا بھی نہین بن پڑتا کہ اُنکی اتنی تو قدر کرین کہ کچھہ دنون انکا نام زندہ رہے۔

زیب النسا بیگم جسکا نام آفتاب کی طرح روشن ہے جسکے اشعار ولطایف

وظائف وغیرہ اکثر شائستہ محافل اور مجالس میں سننے میں آتے ہیں۔
آج سے کوئی دیڑھ سو سال پرے ہندوستان میں مشہور شاعرہ گزری ہے جس نے اپنی جادو بیانی اور سحر نگاری سے ملک سخن پر سکہ بٹھا دیا تھا۔ اور ہم عصروں میں عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی سیاح جسکا کلام تحفہ کے طور پر غیر ممالک میں لیے جاتے تھے اور بڑے فخر سے سناتے تھے
آہ۔ آج عوام اُسکے حالات سے ذرا بھی واقفیت نہیں رکھتے بلکہ بعض تو یہ بھی نہیں جانتے کہ تھی کون اور کس خاندان کا چراغ تھی +
زیب النساء بیگم نے ایشیائی شاعری پر جو جو احسان کئے تھے وہ محتاج بیان نہیں اسکا دعوا "سکہ بر نقد سخن رائج ایران زدہ ام" قابل تسلیم خیال کیا تھا۔ اسکے کلام کی زیارت کو پرشوق آنکھیں ترسا کرتی تھیں اور نہ صرف اُس کے پانیکی ہوس میں پھیلے رہا کرتے تھے لیکن ملک نے جو اُسکی قدر کی ہے اظہر من الشمس ہے اُس کی ساری عمر کی کمائی اکارت چلی گئی یہانتک کہ سوائے ایک دیوان کے دوسری تصانیف کا پتہ تک نہیں چلتا۔ اور اگر ایسا ہی اندھیر مچا رہا تو کچھ شک نہیں کہ اُس کا نام بھی مثل دیگر مشاہیر کے صفحہ ہستی سے مٹ جائیگا۔ افسوس! جب ہم اس کے کلام کو لیکر پڑھتے ہیں۔ تو اسکے سحر نما مضامین اُس چست اور موثر فقرے اور اُسکے جادو بھرے الفاظ اور اسکے پر درد نغمے دلوں میں نشتر کا کام کرجاتے ہیں اور بے ساختہ زبان سے نکل جاتا ہے۔ کہ کیا اس کی قسمت میں یہی لکھا تھا کہ عروج شاعری کی منزل کی سب سے اونچی سیڑھی پر جا چڑھے اور سحر انگیز مضامین سے دلوں کو گرویدہ کرکے ایسی جگہ آپڑے کہ نام تک مٹ جانے میں بھی کسر نہ رہے +

زیب النسا بیگم کے بیوگرفی میں سب سے زیادہ قابل غور بات معلوم ہوتی ہے کہ اُسکے چال چلن اور شاعری کی نسبت تمام مورخین کی رائیں بالکل متضاد ہیں۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ عورت ہوکر جو رتبہ اُس نے پایا مرد لاکھہ کوشش کرے وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ بعض فرماتے ہیں کہ نہیں وہ معمولی لکھی پڑھی تھی گو شعر بھی کہتی تھی مگر ایسی نہ تھی جیساکہ اُسے مشہور کیا جاتا ہے +

ایک تیسرے کریم النفس اصحاب اور ہیں جو بجائے ہمدردی کے عداوت کا اظہار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیوان مخفی زیب النساء کا کلام ہی نہیں ہے بلکہ ایک ایرانی استاد معروف بہ رشتی کا ہے زیادہ تر اسبات پر ہٹ دھرمی کرنے والے کارپردازان مطبع نول کشور ہیں جو بلاسوچے سمجھے اپنے مطبع کے کتابوں کے سرورق پر جب دیگر کتب کا اشتہار لکھتے ہیں تو دیوان مخفی لکھہ کر ایزاد کردیا کرتے ہیں کہ +

"یہ کلام ایک ایرانی استاد کا ہے عوام اسے زیب النساء سے منسوب کرتے ہیں یہ غلط ہے"

اور علیٰ ہذالقیاس دیوان مخفی جو اُنکے مطبع میں چھپا ہے اُس کے اخیر صفحہ پر لکھا ہے۔

"دریں ایام خجستہ آغاز ہمایوں انجام بلاغت نظام شاعر عالی مقام وسخنگوئے فلک احتشام سر آمد شعرائے نامی صاحب زبان تخلص رشتی معروف بہ دیوان مخفی کہ بسبب مرغوبی کلام تا ہنگام بہر اراں خواستگاری مشتاقان زیب چشتہ شمشنں

در لکھنو طبع بگرفتہ بود حالا ہماں سلسلہ بار ہفتم کہ بتحقیق
بار اول است بہ تصحیح بہا الکن آرایش بذیرفتہ آویزہ
گوش روزگار گردید"

مگر شاید انہوں نے اس دیوان کو پڑھا نہیں ۔ سنی سنائی باتوں کا تتبع کر لیا ہے وہ پہلی اپنے ہی مطبع کا چھپا ہوا دیوان لیکر پڑھیں صفحہ چہارم سطر ۲ میں لکھا ہوا ہے ✤

دختر شاہم ولیکن رو بفقر آوردہ ام
زیب و زینت بس ہمینم نام من زیب النسا ست

اسکا جواب شاید یہی ہو کہ آیندہ طبع میں اس غزل کو ہی دیوان سے نکال دینگے

کیا لطف جو غیر پردہ کھولے
جادو وہ جو سر پہ چڑھکے بولے

ڈاکٹر برنیر جس نے اُس زمانہ میں ہندوستان کا سفر کیا تھا اپنی کتاب میں اس نامور شاعرہ کی سوانح عمری پر دھبہ لگایا ہے اور ایک جلد باز اور متعصب مؤرخ کی طرح اصلی اور سنے سنائے واقعات کو خلط ملط کر کے اُس کے کیرکٹر پر نکتہ چینیاں کر گیا ہے مگر جس نے اُسکی تاریخ کو نظر انصاف سے دیکھا ہے وہ اسبات کا قائل ہو گا کہ ڈاکٹر برنیر کا کلام کا بذیان سے زیادہ رتبہ نہیں اور جو کچھ اُس نے لکھا ہے اُس سے محض تعصب کی بو آتی ہے ✤

اب ہم چاہتے ہیں کہ بسبیل اختصار زیب النسا بیگم کی زندگی کے عجیب حالات اور اُس کے مختلف کوائف چال وچلن بیان کریں کیونکہ بڑی چیز اُنکی تصویر

جتنی دور سے لی جائے اُتنی ہی عمدہ اتر تی ہے اور نزدیک سے کچی معلوم ہوتی ہے اس ہیروئین کو دنیا کے تماشہ گاہ سے گئے ہوئے اسقدر عرصہ گزر گیا ہو کہ اُن چند صفحوں کی ترکیب میں اور صحیح واقعات کی تلاش میں جو دقت پیش آئی سے اسکا مرتب ہی بجائے خود اندازہ کرسکتا ہے تاہم جو کچھ فراہم ہوسکا ہے ہدیہ ناظرین ہے

ع گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

ایک ایسی باکمال کی سوانح عمری جسمیں علمی اور اخلاقی دونوں خوبیاں موجود ہیں اور جس نے اپنے جذبات کی فتح سے علمی دنیا میں ایک ممتاز اور نمایاں عزت حاصل کی تھی ملک کی ترقی میں کچھ مدد دینے والی نہیں ہوسکتی دلچسپی واقفیت اور نیز اِن مختلف تحریکوں کے لحاظ سے جو ان صفحات سے ملک کی اخلاقی اور علمی بہبودی پیدا ہونے کی امید ہوسکتی ہے یقین واثق ہو کہ ناظرین ان کو عبور کرکے مرتب کی محنت کا حق انصاف ادا کرینگے +

جی تو نہیں مانتا تھا کہ اس دلچسپ دیباچہ کو یہیں ختم کرتا - خوف طوالت کا بُرا ہو کرنا ہی پڑا - لیکن - شب آخر آمد و افسانہ از افسانہ مے خیزد و کتاب نامکمل رہی جاتی ہے - اگر میں اپنے محترم دوست منشی غلام محمدؐ صاحب (محکمہ ٹریفک) کا شکریہ ادا کروں - جنکی توجہ اور امداد نے اسکی ترتیب وتکمیل میں وہی کام دیا ہے - جو چمن کو آب یاری سے ہوتا ہے - اور سچ تو یوں ہے کہ صرف میں ہی نہیں بلکہ حجلہ نشین علیین (زیب النساء بیگم) کی روح بھی ساتھ احسنت و مرحبا کہہ رہی ہے +

خاکسار

محمدؐ دین (خلیق) — لاہور ۲۴ مئی ۱۸۹۹ء

دیباچہ طبع دوم

کسی مصنف یا مولف یا مرتب کے لئے آجکل جیسے نا قدر دانی زمانے میں یہی معراج ہے کہ اُسکی تصنیف یا تالیف کو دوسری بار پریس دیکھنا نصیب ہو۔ یہی اُس کی محنتوں کا صلہ خیال کیا جاتا ہے۔ اور یہی اُس کے لئے سرمایہ ناز ہے ؛

الحمد للہ کہ مولف حیات زیب النساء کو بھی یہ فخر نصیب ہوا ہے کہ اُسکی ناچیز تالیف کو چھپے ہوئے ابھی پورے دو سال بھی نہیں گذرے تھے کہ اُس کو دوسری بار چھاپنے کی ضرورت پڑی۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ کہ ملک نے کس قدر جلد اسکی محنتوں کا صلہ دیا اور کتنا کچھ اُس کی تالیف کی قدر کر کے اُس کی حوصلہ افزائی کی

پچھلی بار بہ سبب چند در چند وجوہ کے اس میں بہت سی غلطیاں رہ گئیں تھیں۔ مگر اب کی دفعہ کوشش کی گئی ہے۔ کہ یہ نقص بھی نہ رہے اور جو کچھ مزید حالات دستیاب ہوئے وہ بھی درج کر دئے گئے ہیں ؛

خاکسار

سہارن پور مورخہ ۲۴ جنوری سنہ ۱۹۰۶ء

محمد دین (خلیق)

شجرۂ خاندان شہزادی زیب النساء بیگم

تیمور گورگانی

ظہیر الدین محمد بابر

ہمایوں　مرزا کامران　مرزا عسکری　مرزا ہندال

حکیم　اکبر　ابراہیم

حسن　حسین　سلیم　مراد　دانیال　جہانگیر

خسرو　پرویز　شاہجہان　جہاندار　شہریار　(دختر)　(دختر)

عالمگیر　دارا شکوہ　شجاع　مراد بخش

سلیمان شکوہ　سپہر شکوہ　جانی بیگم　ایزد بخش　آسایش بیگم　مہر النساء بیگم　دوستدار بیگم

زین العابدین　زین الدین　بلند اختر　دلبند بانو　گلرخ بیگم　خیر النساء بیگم

محمد سلطان　محمد معظم　محمد اعظم　محمد اکبر　کام بخش　زیب النساء بیگم　زینت النساء بیگم　زبدۃ النساء بیگم　بدر النساء بیگم　مہر النساء بیگم

حیات زیب النساء

پیدائش بچپن اور تعلیم

یہ روشن خیال اور عالی دماغ شہزادی شہنشاہ ہندوستان محمدؒ محی الدین عالمگیر اورنگزیب کی بیٹی تھی۔ اسکا اصل نام زیبندہ بیگم تھا۔ مگر مشہور زیب النسا بیگم ہے۔ اسکی اور بھی چار بہنیں تھیں جنکے نام بترتیب عمر زیب النسا بیگم۔ زبدۃ النسا بیگم۔ بدر النسا بیگم اور مہر النسا بیگم ہیں۔ مگر یہ سب سے بڑی تھی ۔

یہ شہزادی ۱۰ شوال ۱۰۴۸ھ مطابق ۱۶۳۹ء کو صبح کے چار بجے دختر شاہنواز خاں کے بطن سے پیدا ہوئی۔ شاہی دستور کے مطابق اس کی پرورش شروع ہوئی اور اچھی اچھی شریف زادیاں اس کی خدمت کے لیے مقرر ہوئیں مگر دودھ پلانے پر صرف میا بائی تھی۔ اس کا بچپن نہایت ہی خوبصورت اور لطیف تھا۔ جب تین سال کی تھی تو میا بائی کے پاس بیٹھی ہوئی بڑی توجہ سے قرآن شریف سنا کرتی تھی اور ذرا بھی نہ اکتاتی تھی میا بائی نماز

ووظائف کی بڑی پابندی تھی اور اکثر گھنٹوں مصروف رہتی تھی مگر کیا مجال جو روئے یا دیگر بچوں کی طرح مچلے گو **میا بائی** کی حرکات وسکنات کو ہرگز نہ سمجھتی ہوگی لیکن یہ نظارہ اُسکے دل بہلنے کے لئے کافی ووافی تھا۔ عالمگیر کو اس سے بہت محبت تھی اور اسکے طرز و انداز کو دیکھ کر اُس نے سمجھ لیا تھا کہ یہ ننھی سی طبیعت ضرور کسی دلچسپی کا مادہ اپنے میں رکھتی ہے۔

زیب النسا جب سوا چار سال کی ہوئی تو ملا جیون سے (جو شاہی خاندان کے استاد تھے) بسم اللہ شروع کرائی گئی۔ اِسکا ذہن اس بلا کا تھا۔ کہ اس نے صرف دو سال اور تین مہینے میں قرآن شریف ختم کرلیا ابھی آٹھ سال سے کچھ کم ہی کی تھی کہ حافظ بھی ہوگئی۔ حافظ ہوجانیکی خوشی میں اُس کے باپ نے تیس ہزار اشرفیاں اُس پر سے تصدق کیں اور بہت کچھ خوشیاں منائیں۔ بعدہ اسکو **ملا سعید اشرف بن صالح عرف شاہ رستم غازی** کا (جو اُس زمانہ میں یگانہ تھے) شاگرد بنایا گیا اور اُن سے علم فارسی و عربی۔ فقہ اصول کا حصہ حاصل کیا علاوہ ذہن رسا کے اسکی زبان میں خدا نے اس درجہ کا لوچ دیا تھا کہ جب یہ قرآن پڑھتی تھی تو سامعین کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑتے تھے۔

شاعری کے لئے اس کی طبیعت خودبخود ایسی موزوں پیدا ہوئی تھی کہ جو بات اس کے منہ سے نکلتی تھی مقفٰے ہوتی تھی۔ شروع شروع میں تو اسے کچھ خبر ہی نہ تھی لیکن استاد جو اسے ملا تھا وہ ماہر خفی و جلی تھا۔ بلکہ کہتے ہیں کہ اُس نے پیش گوئی بھی کی تھی کہ یہ شاعرہ ہوگی۔ اس پیش گوئی کی خبر رفتہ رفتہ **زیب النساء** کے کان تک پہنچ گئی۔ جس نے اُسکی طبیعت میں اور

بھی شعرگوئی کا شوق پیدا کر دیا شعرگوئی کا شوق پیدا ہونے کو تو ہو گیا مگر اصلاح کی ضرورت باقی تھی شاہ رستم غازی صاحب سے تو ادب اور حیا مانع تھی اور دوسرونکو وہاں تک مجال رسائی نہ تھی اس لئے پندرہ برس کی عمر تک یہ آتش شوق دل کی دل میں دبی رہی تاہم جو کچھ موزون ہوتا لکھ لکھ کر جمع کرتی جاتی تھی اور فرصت کے وقت خود ہی نظر ثانی کر لیا کرتی تھی ◆

ایک دن شاہ صاحب مرحوم نے چند مختلف اشعار جو اس کی بیاض میں لکھے ہوئے تھے دیکھے اور نہایت ہی پسند کئے بعد ازاں زیب النساء سے دریافت کیا کہ کیا یہ اشعار اسی کی موزون طبیعت کا نتیجہ ہیں۔ اس سوال کا جواب شہزادی زیب النساء نے نہایت حیا اور ادب سے اثبات میں دیا۔ شاہ صاحب نے اپنے شاگردون کی ایسی پاکیزہ طبیعت دیکھ کر شعرگوئی کی اجازت دے دی۔ بلکہ اصلاح کے لئے بندوبست کر دینے کا بھی وعدہ کیا۔ اب تو اس کی دلی مراد حاصل ہو گئی اور دن بدن اس کی نازک خیالیاں زور پکڑ گئیں ◆

میر ناصر علی سرہندی اور نواب ذوالفقار خاں

قبل ازیں کہ اور حالات زیب النسا بیگم کے لکھے جائیں تھوڑا سا حال ناصر علی صاحب سرہندی کا لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے ✦

یہ بزرگ وار شرفائے سرہند سے تھے ان کے والد صاحب کو بھی شعر گوئی کا بہت شوق تھا مگر معروف مسائیہ اگر بدیر نتوانند بسر تمام کنند انہوں نے ہی ثابت کر دکھایا - یہ زبان فارسی کے معتبر مصنف بعینہم الثبوت محقق تھے - بڑے آزاد الطبع - بلند نظر اور بددمغ تھے - ودا سی قباحت نے انہیں نازک المزاج پا کر ہمیشہ دنیا کی راحت اور فارغ البالی سے محروم رکھا - امیروں کے پاس جانا اپنی ہتک سمجھتے تھے - ہمیشہ اپنے ٹوٹے پھوٹے تنگ و تاریک جھونپڑے میں قناعت سے گذارا کرتے تھے ان کو آسودہ حال کبھی نہیں دیکھا گیا - ہاں ایک آدھ فاقہ ضرور گذر جاتا تھا انکو چھوٹی سی عمر میں شعر کہنا آگیا تھا - جب بیس سال کے ہوئے تو سمند ناز پر ایک اور تازیانہ فقیری کا لگا بیٹھے ✦

ان کے زمانے میں سرہند کے ناظم نواب ذوالفقار خاں تھے ان کو شاعروں سے بہت الفت تھی - جب انہوں نے میر صاحب کا حال سنا تو برہمن نام شاعر کو جو اُن کے دربار میں تھا لانے کو بھیجا - میر صاحب نے پہلے تو جانے سے انکار کیا اور کہا بابا میں تو فقیر ہوں مگر برہمن بلا کا لسان تھا کسی نہ کسی ڈھنگ سے انکو دربار تک لے گیا ✦

اتفاقیہ بات کہ ابھی میر صاحب کی سفارش میں [illegible] میر صاحب ابھی علیک سلیک کر سکے تھے پیشتر ہی [illegible] سے آکر پوچھا کہ ان کی [illegible] شادی کی وفات کی خبر سنائی - [illegible] کا مقام تھا نواب صاحب کو [illegible]

جانا پڑا۔ مگر چونکہ میر صاحب کی طبیعت سے واقف تھے کہ مبادا مستغنی طبع ہو کر چلے جاویں۔ الٹے پاؤں واپس آگئے۔ یہاں آکر دیکھا تو میر صاحب کبھی کے کافور ہو چکے تھے۔ نواب صاحب کو بہت حیرت ہوئی اور جو فقرہ بیساختہ زبان سے نکلا وہ یہ تھا۔ "اسے کوئی جا ناوہ تو میری ہجو لکھ ڈالیگا" برہمن نے پھر تکلیف کی اور میر صاحب کے گھر گئے۔ وہاں جاکر دیکھا کہ واقعی وہ ذوالفقار خاں کی ہجو لکھ رہے ہیں برہمن نے آؤ دیکھا نہ تاؤ ہاتھ پکڑ لیا جب میر صاحب نے سبب پوچھا تو کہا "واہ صاحب واہ نام تو ہو علی اور ذوالفقار کی ہجو" میر صاحب کو یہ فی البدیہہ فقرہ پسند آیا۔ اور کہا "افسوس مجھے قدرت نہیں ورنہ جو تو مانگتا بلا عذر دیدیتا۔ اب بھی جو کچھ میرے اختیار میں دیکھتا ہے مانگ" برہمن کو جب یہ موقع ہاتھ لگا تو عرض کی "میرے ساتھ پھر دربار تک چلئے اور اُس ہجو کی جگہ مدح لکھ دیجئے" میر صاحب نے اچونکہ زبان دے چکے تھے اسکی درخواست کو قبول کیا اور لکھا۔

ای شان حیدری ز جبین تو آشکار   نام تو در نبرد کند کار ذوالفقار

دشمن کش جہانی و یکدوست پروری   فتح و ظفر دو بخت مستند در قطار

تسخیر بوستان الٰہی نمودہ   اے نو بہار خلق تو بہ بوی گل سوار

مرغ دلم بہ نیم نگہ صید کردہ   اے طائران عرش خدنگ ترا سوار

ترسم کہ دل ز بوسے فراقت چنون شود   آن دل کہ بردہ ز دل من بمن سپار

یاران چند مدفن خود منشیٔ خود اند   ایں جمع را بیک نظر مالطفت شمار

ناصر علی ترا ز تو خواہد مراد لیس   اے ابر فیض بر ہمہ عالم گہر ببار

بعدہٗ ساتھ گئے اور قطعہ بالا پڑھ کر سنایا نواب صاحب بہت تواضع سے

لہ ہجو بھی موجود ہے مگر بہت فحش ہے اس لئے اس جگہ نہیں لکھی گئی۔

پیش آئے اور وظیفہ بھی مقرر کردیا مگر بے اعتنائی کی کھٹک دل سے نہ نکلی اور عوض لینے کی تاک میں رہے۔ آخرکار مرزا محمد علی صاحب المتخلص بہ صائب کو ایران سے بلوایا (بعض کہتے ہیں وہ خود آیا تھا) اور مقابلہ پر کھڑا کردیا۔ اُن کی چھیڑ چھاڑ کا رنگ علی کے مفصلہ ذیل اشعار سے جھلکتا ہے +

بایں شوخی غزل گفتن علی از کس نمی آید ۔۔ باران مے فرستیم تا کہ بنویسند جوابش را
علی شرم باران سے بروشہرت ایران ترسم ۔۔ کہ صائب خون بگرید آب مہ دفتر شود پیدا
علی بہ گلشن کشمیر رفتنم عیب است ۔۔ کہ ہمصفیر من آن عندلیب تبریز است
خون گشت علی سینہ ام از مصرع صائب ۔۔ در پیرہن غنچہ بہ بیند چہ خار است

ادھر تو ناصر علی اور صائب میں چھیڑ چھاڑ ہو رہی تھی اب ادھر کا حال سنئے جب زیب النساء کی شاعری نے زور پکڑا اور زمانے کی واہ واہ نے موزون طبیعت کو بلند پروازیوں کے پر لگائے تو شاہ رستم صاحب نے حسب وعدہ بادشاہ سے اصلاح کے لئے کسی لائق شاعر کے استاد مقرر کرنے کی رائے دی۔ بادشاہ نے (جس کو اپنی دختر ساری اولاد سے زیادہ پیاری تھی اور اسی محبت کی وجہ سے اسکو تعلیم بھی لڑکوں کے سکیل پر دی تھی) منظور فرمایا اور عمدہ عمدہ شاعروں کی پڑتال شروع کردی۔ کشمیر و ایران و دیگر ممالک سے آدمی آئے مگر زیب النساء کی چلتی طبیعت کے آگے کوئی لگا نہ کھا سکا +

امیر صاحب کی اردو - میر صاحب کے ہمعصر شاہ شمس ولی اللہ صاحب بھی ہیں جنہوں نے اردو شاعری کی بنیاد ڈالی تھی۔ یہ ولی تخلص کرتے تھے۔ انہوں نے ایکبار اپنے جوش ریختہ گوئی میں ناصر علی کو لکھا ع پہلکر جا پڑے سے جوں سرمہ بہرہ اگر مطلع لکھوں ناصر علی کوں +
ناصر علی نے جواب میں لکھا ع باعجاز سخن گر آپ چلے وہ معلی ہرگز نہ پہونچیگا علی کوں +

ایک بار نواب ذوالفقار خاں ناظم سرہند دار السلطنت میں شرف قدم بوسی کو حاضر ہوا اور حسب اتفاق اُس نے یہ خبر سنی تو دربار میں ناصر علی اور برہمن کی یہاں تک تعریف کی کہ بادشاہ نے ذوالفقار خاں کو دونو شاعروں کی حاضری کے واسطے بالاصرار حکم دیا۔ جب یہ دونو حاضر دربار ہوئے تو بادشاہ نے کلام سنانے کی فرمایش کی پہلے برہمن نے غزل پڑھی جو بہت شائستہ تھی لیکن بادشاہوں کی طبیعتیں جو گاہے بسلامے برنجند وگاہے بدشنامے خلعت دہند کی مصداق ہوتی ہیں۔ برہمن کی غزل کا یہ مقطع سنکر بس

مرا دلیست بکفر آشنا کہ چندین بار

بکعبہ بردم و بازش برہمن آوردم

کچھ بگڑ گئی اور توہین مذہب سمجھ کر حسب حکم شرع انتقام لینے کی تدبیریں سوچنے لگا۔ میر ناصر علی صاحب اگر اسوقت موجود نہ ہوتے تو خدا جانے کیا ہو جاتا۔ بادشاہ کی کڑی چتونوں کو تاڑ گئے اور دست بستہ عرض کی کہ حضور نے سنا ہوگا۔ گلستاں میں سعدی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں +

خر عیسیٰ اگر بمکہ رود ۔۔۔ چوں بیاید ہنوز خر باشد

اگر برہمن کعبہ سے واپس آ کر برہمن ہی رہتے تو کچھ جائے تعجب نہیں یہ سنکر بادشاہ ہنس پڑا اور قصور سے درگذرا۔ بعدہٗ میر صاحب نے غزل سنائی۔ اہل دربار زور طبیعت کو مان گئے مگر زیب النسا بیگم جو براقی طبع میں خود بے نظیر تھی اُس کے کلام کو خاطر میں نہ لائی۔ اور دوسرے روز اسی طرح میں اپنی غزل لکھ کر سنائی اگرچہ میر صاحب کی طبیعت حاضر تھی رسا اور بندش چست اس پر کلام میں زور سب کچھ تھا مگر بمصداق کلام الملوک ملوک الکلام اور میر صاحب کی غریب الوطنی کی وجہ سے سب نے زیب النسا بیگم کے کلام کو ترجیح دی +

اب یہ استاد تو نہ مانے گئے۔ مگر شاعروں میں مقرر ہو گئے اور شاہی مشاعرہ میں مقابلہ پر طبع آزمائیاں کرنے لگے غزلوں میں بھی چھیڑ چھاڑ ہونے لگی مگر اسطرح کہ کوئی سمجھا اور کوئی نہ سمجھا

علاوہ ناصر علی کے صائب غنیؔ برہمن۔ بہروز اور عاقل بھی ہمعصر تھے لیکن مشاعرہ میں حاضری سے معذور تھے کیونکہ غنیؔ[1] کشمیر میں تھے اور گھر سے باہر قدم نکالنا نہیں چاہتے تھے۔ عاقل لاہور میں ناظم تھا اور بندگی وبیچارگی کے سبب سے مجبور تھا صائب سرہند میں نواب ذوالفقار خاں کے پاس ہی رہا۔ البتہ بہروز ناصر علی اور برہمن داد سخن لیتے اور دیتے تھے۔ تینوں متقدم الذکر کے پاس جب مہینوں کے بعد طرح پہنچتی تھی تب کہیں اسیر کہتے تھے۔ مگر وہ "مشت بعد از جنگ" ہوتی تھی۔ مذاق شعری ہر ایک کا علیحدہ تھا۔ لیکن

---

[1] غنی تخلص تھا۔ اصل نام ملا طاہر تھا۔ شیخ محسن فانی کے شاگرد رشید ہیں انکا کلام نہایت ہی مقبول ہوا ایران تک شہرہ پہنچا تھا۔ مرزا صاحب فرمایا کرتے تھے (نوٹ لفید) کہ میں اپنا سارا دیوان ان کے ایک شعر کے عوض میں دینے کو طیار ہوں کاش اس شعر کو میں کہتا۔ ؎

حسن سبز تو بخط سبز مرا کرد اسیر   دام ہم رنگ زمین بود گرفتار شدم

کاشمیر سے کبھی باہر قدم نہیں نکالا۔ باوجودیکہ شہنشاہ ہندوستان نے سیف خاں حاکم کشمیر کی معرفت بلوا بھیجا تھا۔ مگر انہوں نے انکار کیا اور کہا کہ لکھدو "غنی دیوانہ ہوگیا ہے" سیف خاں نے جواب دیا "میں تجھ جیسے عاقل کو دیوانہ کیونکر بنا سکتا ہوں" یہ سنکر آپ نے اسی وقت کپڑے پھاڑ ڈالے اور دیوانہ صورت بنالی اور کہا لو اب تو لکھدو۔ افلاس جو شعراء کا ہمدم اور ہم نفس ہے انکا بھی یار غار رہا تاہم قناعت کو ہاتھ سے نہ دیتے تھے۔ دولت کے لئے امیروں تک جانا ننگ سمجھتے تھے۔ چنانچہ خود کہتے ہیں۔

فکر روزی رہنمی دارد مرا از جای خویش   گر روچوں شمع میر بزم ودل بپای خویش

باقی اگلے صفحہ پر

قافیہ کے نباہنے میں ایک کو دوسرے پر فوقیت ہوتی تھی۔ ایک اگر آہ تھا تو دوسرا واہ۔ ذیل میں چند غزلوں کا اقتباس درج کیا جاتا ہے جس سے اُن کی قابلیت اور خیال کا اندازہ زیب النسار بیگم کے مقابلہ میں ہوسکتا ہے مگر انصاف شرط ہے؛

زیب النساء بیگم

برفگن از شمع رویت ای مہ خوبان نقاب ۔۔۔ تا بصد منت نہد بر پای تو سر آفتاب
در فراقت زندگانی چون کنم یارب کہ بس ۔۔۔ غم قوی محنت فزون دل ناتوان جانم خراب
آنچہ حاصل کردم از سودای عشق ای سنگدل ۔۔۔ جان کباب سینہ چاک و لخت دل چشم پر آب
خو گرفتم با غم عشق تو باید بعد از ین ۔۔۔ ہر نفس سالے بود پیش تو در روز حساب
کامرانی گر کنی مخفی نمانی عمر خویش ۔۔۔ گریہ بیجد نالہ بیحد سینہ بریان دل کباب

میر ناصر علی صاحب (علی)

بسکہ حسنت ریخت در پیمانہ حیرت شراب ۔۔۔ چون شفق بر روی گردون ماند نور آفتاب
جوہر اندر استخوان ماہیان پروانہ شد ۔۔۔ شمع روشن کرد شکست نا فانوس حباب
ہر کہ دارد آبرو از سختی چرخ ایمن است ۔۔۔ دانہ گوہر نمی بیند شکست از آفتاب
عیبہا ننگ ہنر گیرد چو دل روشن بود ۔۔۔ صبح نورانی شود دود چراغ آفتاب
پردہ ہائے دیدہ خواہم از میان برداشتن ۔۔۔ میتوان کردن تماشائے تو امشب بیحجاب

ناصر علی صاحب نے ایک دفعہ اُن سے اپنے کلام کے بارے میں رائے طلب کی تھی اُس کے جواب میں آپ نے لکھا ہے:

گر رتبہ شعری خود بپرسی از من ۔۔۔ گویم سخن با تو مرنج اے کودن
بر ہر ورقے کہ کردہ مشق سخن ۔۔۔ چون لوح زبان شوی از آب دہن

بردل ریشم نمک از خندہ پاشیدن چرا — مرغ تشنہ خوارہ در آتش نخواہد شد کباب
مردمک از دیدہ برمے آید از شوق برخت — سوئے مہمانان نگردد خانہ مردم خراب

ایک دفعہ طرح تھی

"اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمے ماند"

اس پر سب کی غزلیں موجود ہیں۔ مگر اس مقام پر صرف چند چیدہ چیدہ اشعار درج کئے جاتے ہیں (اس زمانہ میں شاید زیب النسا بیگم کی شاعری کی ابتدا ہو گی) +

زیب النساء بیگم

حجاب نو عروساں در بر شوہر نمے ماند — اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمے ماند
مریض عشق او بسیار بر بستر نمے ماند — اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمے ماند

مرزا محمد علی صاحب (صائب)

مہ دو ہفتہ ہرگز با رخ دلبر نمے ماند — اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمے ماند
دلم از مہر آں آئینہ رو در بر نمے ماند — اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمے ماند
بہ بیں بیمار الفت را کہ بر بستر نمے ماند — اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمے ماند

ناصر علی صاحب سرہندی (علی)

دمے قحبہ درون خانہ بے شوہر نمے ماند — اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمے ماند
چو میوہ پختہ شد بر شاخہائے تر نمے ماند — اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمے ماند
مسافر در سر کاروان اکثر نمے ماند — اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمے ماند

نعمت خاں (عالی)

ہلال عید چو ابروئے آں دلبرے مانند
اگر ماہ شبے ماند شبے دیگرسے مانند

زیب النساء بیگم کا حلیہ

ڈاکٹر برنیر صاحب جنہوں نے عالمگیر کے زمانہ میں ہندوستان کا سفر کیا تھا اپنے سفرنامہ میں شاہزادی کا حلیہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔ قد لمبا۔ ہاتھ پاؤں متوسط درجہ کے بدن دبلا پتلا۔ چہرہ گول اور رنگ صاف رخسارہ کے دائیں جانب نزدیک گوش دو سیاہ تل۔ آنکھیں سیاہ اور موٹی موٹی سر کے بال لمبے لمبے۔ دانت اور ہونٹ پتلے پتلے تھے۔

میاں بالی راوی ہے کہ بیگم صاحبہ نے مسّی اور سرمہ کا استعمال عمر بھر نہیں کیا۔ ہمیشہ سفید اور سادہ لباس رکھتی تھی سوائے اوائل عمر کے رنگین اور ریشمی لباس سے ہمیشہ نفرت رہی مگر خواصوں اور کنیزوں کو اجازت تھی کہ رنگین یا جس طرح کا لباس اُن کو پسند ہو پہنا کریں۔ بلکہ جب کسی کو سادہ لباس میں دیکھتی اُسے پہننے کو کہتی صرف زبانی ہی ارشاد پر اکتفا نہیں ہوتا تھا بلکہ بعض اوقات تاکید بھی کی جاتی تھی مروّجہ لباس کی کتر بیونت صرف محمد شاہ کے زمانے سے ہوئی ہے۔ مختلف اوضاع کے کپڑے پہلے نہیں پہنے جاتے تھے۔ مستورات کی پوشاک یا تو ہندوانہ وضع کی ہوتی تھی یا ایرانی وضع کی زیب النساء عموماً ایرانی لباس زیب تن کرتی تھی۔ ہاں ایک دفعہ جب لاہور میں آئی تو ایک ہندو شہزادی کے ایما سے ہندوستانی لباس بھی پہنا چونکہ اوس

کی خبر شاہ تک جلد پہنچ گئی اور اس نے زیب النسا کو اس پر بہت کچھ ملامت بھی کی اس لیے فوراً اتار دیا۔ زیور بھی پہنی تھی مگر تھوڑا ایک مالا قیمتی موتیوں کی ہر وقت زیب گلو رہتی تھی۔ جس کے بیچ میں دو تین مرصع تعویز ہوتے تھے۔ اور کانوں میں جواہرات کے کرن پھول تاہم اس سادگی پر ہزار بناؤ اور سنگار قربان تھے سچ ہے۔

نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا نے دی
کہ دیکھو خوشنما لگتا ہے کیسا چاند بن گہنے

زیب النسا کا مذہب باپ کی طرح اہل سنت والجماعت تھی اولیائے کرام اور بزرگان دین کے نام بڑے ادب سے لیتی تھی شرک اور بدعت کے کاموں سے نفرت کلی رکھتی تھی۔ عالمگیر کی تخت نشینی سے پہلے تعزیہ داری و مجالس کا شوق بھی رہا۔ بڑے اخلاص اور اعتقاد سے شریک مجالس ہوا کرتی تھی مگر عالمگیر کے زمانے میں جہاں لوگوں نے دیگر منہیات سے توبہ کی تعزیہ داری کو بھی انہیں میں سے سمجھا۔ تو **زیب النسا بیگم** نے بھی حسب تلقین شراکت مجالس ترک کر دی کہتے ہیں کہ کسی زمانے میں حضرت شاہ میاں میر صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی مگر اس کا پختہ ثبوت کہیں نہیں ملتا۔ شاید ایسا ہوا ہو کیونکہ ان کا تمام خاندان۔ خصوصاً دارا شکوہ۔ شاہ صاحب مغفور کا مرید تھا*

زیب النسا بیگم طبیعت کی رحیم، بردبار، خلیق اور متحمل تھی۔ غصہ و غضب کے وقت بھی مطمئن نظر آیا کرتی تھی خادموں اور کنیزوں سے بڑا سلوک رکھتی تھی۔ تاریخ جمیلی میں لکھا ہے کہ اسکو چیں بجبیں کبھی کسی نے نہیں دیکھا ہمعصر باوجودیکہ بے باکانہ اور گستاخانہ چوٹیں کر جاتے تھے مگر یہ مستقل المزاج

شہزادی غصہ ہوتا تو درکنار پرواہ تک نہیں کرتی تھی۔ ایک دفعہ اوس نے یہ بے نظیر ع

از ہم نمی شود ز حلاوت جدا لبم

تحریر کیا اور شاعروں کو دوسرا مصرعہ موزون کرنے کے لئے ارشاد لیا۔ سب نے اپنی اپنی طبیعت کا زور دکھایا مگر ناصر علی سرہندی موصوف نے لکھا ؎

از ہم نمی شود ز حلاوت جدا لبم
شاید رسیدہ بر لب زیب النسا لبم

گو یہ نہایت ہی گستاخانہ جواب تھا تاہم تحمل سے کام لیا اور بلحاظ ہم عصری بالکل پرواہ نہ کی۔ صرف اتنا لکھ بھیجا ؎

ناصر علی بنام علی بردۂ پناہ
ورنہ بذوالفقار علی سر بریدمت

ایک دفعہ ایک آئینہ جو فغفور چین نے شاہ جہان شہنشاہ ہند کو تحفتاً بھیجا تھا اور عالمگیر سے زیب النسا کو ملا تھا ایک پرستار[1] روشن نام سے

[1] اسی خادمہ کی نسبت یہ بھی مشہور ہے کہ ایک مرتبہ زیب النسا بیگم نے اسے حکم دیا۔ کہ فلاں کمرے سے میری فلاں بیاض اٹھا لاؤ۔ جب یہ بیاض لا رہی تھی۔ راستہ میں ایک چھوٹا سا حوض تھا جیسے کہ امرا اور سلاطین کے محل سراؤں میں تفریحی حوض ہوتے ہیں اور انہیں سرخ مچھلیاں چھوڑی ہوئی تھیں۔ خادمہ مچھلیوں کا تماشہ دیکھنے لگی اور بیاض اُس کے ہاتھ سے حوض میں گر گیا۔ اس پہ اُس نے شاعرہ بیگم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ رباعی جو اسی وقت موزون کی تھی عرض کی

آں بیاض خاصہ شاہی کہ ہر سو ہر طرف ۔۔۔ چوں کواکب نقطہ ہائے انتخاب افتادہ است
این زمان از دست روشن عالم خاکش بسر ۔۔۔ چوں بیاض سینۂ ماہی در آب افتادہ است

ٹوٹ گیا - اس قیمتی چیز کے ضائع ہونے کے باعث لونڈی کانپتی ہوئی آئی مگر مارے خوف کے بات منہ سے نہ نکل سکتی تھی مگر جب بیگم صاحبہ نے پوچھا تو اس نے روتے روتے کہا سہ

از قضا آئینہ چینی شکست

شاہزادی نے بالکل ملال نہ کیا بلکہ ہنسکر کہا

خوب شد اسباب خود بینی شکست

فے البدیہ جواب دینے میں تو اسے وہ ملکہ حاصل تھا جو کہنہ مشق استادوں کو ہوا کرتا ہے - بالیس و پیش ایسا دنداں شکن جواب دیتی تھی کہ سننے والوں کو حیرت ہوتی تھی - لطیفہ جب لاہور میں جو جی والا باغ (جس کا مفصل حال آگے آئیگا) طیار ہوا تو اُس کی افتتاح کی خوشی میں جشن منایا گیا اور مہمان دور دور سے شامل جلسہ ہوئے چونکہ مہمانوں کی خاطر ہر طرح سے منظور تھی - خان سامان و داروغہ وغیرہ کو حکم دیا کہ جو شئے کسی کو درکار ہو وہ بلا عذر دیجائے مگر شاید اس حکم کی تعمیل اچھی طرح سے نہ ہوسکی - اس لئے خود بدولت مہتمم ہوچی خانہ بنی - اور مکرر احکام جاری کیئے کہ جس چیز کی ضرورت ہو بیگم صاحب سے رقعہ بھیج کر منگالی جائے - عاقل خاں گورنر لاہور نے جو شہزادی پر دل و جان سے مفتون تھا - ایک پرچہ پر یہ ذو معنی فقرہ کہ

"سنبوسہ بےسین سے خواہم"

لکھ کر حضور میں ارسال کیا یعنی ظاہر میں تو بےسین کا سنبوسہ طلب کیا - مگر در باطن بوسہ کا مطلب ادا کیا (کیونکہ جب لفظ سنبوسہ سے سن علیحدہ کر کیا جاتا ہے تو صرف لفظ بوسہ باقی رہ جاتا ہے) شہزادی اُس کے مطلب کو تاڑگئی اور دقیقہ سنجی اور نکتہ رسی سے یہ فی البدیہ فقرہ جواب میں تحریر کیا سہ

"راز مطبخ ما در طلب"

نقل۔ ایک دفعہ کم سنی کے زمانہ میں سہیلیوں کے ساتھ اکبر آباد (آگرہ) کے قلعہ میں محل کے اوپر کھیل رہی تھی۔ کھیلتے کھیلتے کسی سہیلی نے جیسا کہ بچوں کی شوخ طبیعت کا مقتضا ہے ایک دیوار کے سوراخ میں ایک لکڑی ڈال دی اور کہا "دزدوں نیچے بروں" اس پر سب نے ہنس دیا۔ اور شور یہاں تک ہوا کہ زیب النساء کے جدامجد شاہجہان نے (جو آنکھوں سے معذور اس مکان کی مسجد میں رہتے تھے) سن لیا اور گھرک کر پوچھا "یہ کیسا شور مچا رکھا ہے" چور کی ڈاڑھی میں تنکا سب نے جانا شاید "نیچے دزداں نیچے بروں" والا شان نے فقرہ سن لیا تھرا گئیں اور حواس باختہ ہو گئے۔ لیکن زیب النساء بیگم مطلق نہ گھبرائی اور فوراً آگے بڑھ کر کہا "جد امجد ہم کہہ رہی ہیں" ؎

از ہیبت شاہ جہاں لرزد زمیں و آسماں
انگشت حیرت در دہاں نیچے دزداں نیچے بروں

نقل۔ ایک دفعہ باغ میں جلوہ افروز تھی۔ صبح کا سہانا وقت تھا۔ نسیم سحری جو پژمردہ دلوں میں بھی گدگدی کر جاتی ہے عین اعتدال پر چل رہی تھی بلبلوں کی چہچہوں اور قمری کی کوکو نے لطف گلشن کو دوبالا کر رکھا تھا۔ طبیعت جو آئی تو نہر کے فرش پر بیٹھ گئی اور بے خودی میں یہ شعر منہ سے نکل گیا ؎

چار چیز زدل غم برد کدام چہار
شراب و سبزہ و آب رواں روئے نگار

اس کو بار بار دہرائی اور لطف مضمون کا مزہ لینی تھی سناگاہ شاہ عالمگیر

وہاں تشریف لے آئے۔ زیب النساء نے جو پیچھے مڑ کر دیکھا تو والد صاحب کو تھوڑے فاصلے پر کھڑا پایا اور خیال ہوا شاید انہوں نے مجھے شعر بالا پڑھتے سن لیا ہے۔ فوراً مضمون بدل دیا اور پڑھنے لگی ؎

چہار چیز ز دل غم برد کدام چہار ✦ نماز روزہ و تسبیح و توبہ استغفار

نقل ایک بکری کو ذبح کی حالت میں دیکھ کر کہا ؎

ای صدف تشنہ بسی بوسہ بزبان تیغ ✦ بہر یک قطرہ آبے کہ شکم بشگافند

نقل ایک دفعہ بازیگر کا تماشہ حضور میں ہو رہا تھا۔ بازیگر کی عورت بلند بلند پر چڑھ کر قلابازیاں دکھا رہی تھی۔ چونکہ نہایت حسین عورت تھی شعرا حاضرین میں سے کسی نے اسکی تعریف میں یہ شعر موزوں کیا ؎

این لعبت بوالعجب چو ماہے پیداست
یا تازہ گلے کہ بر سر شاخ رعناست

جب بیگم صاحبہ نے سنا تو کہا ؎

نے نے غلط است کافتاب محشر
بر نیزہ برآمد و قیامت برپاست

نقل ایک دفعہ باغ میں تشریف فرما تھیں سوچ طبیعت جو آئی تو ایک نرگس کا پھول سر میں لگا لیا۔ **عاقل خاں** نے جو اکثر بیگم صاحبہ کو دیکھنے جایا کرتا تھا۔ پھول کو دیکھ کر یہ شعر پڑھا ؎

نرگس زدہ بر سر ز شوق تو نرگس
خم کردہ رخ خویش کہ رخسار تو بیند

زیب النساء نے فی البدیہہ جواب دیا ؎

این نہ نرگس کہ تو دیدی کہ ہمراہ سر من

به تماشاے تو بیرون شده چشم از سر من

نقل ایک بار ایک ایرانی شہزادے نے یہ فرد پڑھا۔

مقرر کرده ام در دل ازین درگاه نخواهم رفت — سر اینجا سجده اینجا بندگی اینجا قرار اینجا

بیگم صاحبہ نے فی البدیہہ یہ کہا ؎

چه آسان دیده زاهد طریق عشقبازی را
تپ اینجا آتش اخگر اینجا شعله نار اینجا

تضمین تو اس خوبی کی کرتی تھی کہ سبحان اللہ!

ایک بار مشاعرہ میں طرح ہوئی ؎

صبا از شرم می آید بروے گل نگه کردن

بیگم صاحبہ نے لکھا ؎

صبا از شرم مے آید بروے گل نگه کردن
که رخت غنچه را وا کرد نتوانست ته کردن

ایک دفعہ طرح تھی ؎

دُر ابلق کسے کم دیده موجود

سب نے عمدہ عمدہ تضمینیں کیں۔ مگر زیب النساء کی تضمین لاثانی تھی

دُر ابلق کسے کم دیده موجود
مگر اشک بتان سرمه آلود

ایک مرتبہ طرح ہوئی ؎

آتش حسرت ز هجرت در دل بلبل گرفت

اُس نے تضمین کیا ؎

در چمن خانه زاد آتش همدمی با گل گرفت

آتش جست زہجرت در دل بلبل گرفت

ایک بار بادشاہ نے مصرعہ موزون کیا ع دلبران را دلبری بیزر باشد

بیگم تعاونے مصرع لگا کر شعر بنا دیا دلبران را دلبری بعد مروت بیشتر باشد

کہ چرم گرگ شیر افگن پس از مردن سپر باشد

ایک بار کا ذکر ہے کہ مشاعرہ کی طرح تھی ع

لخت لخت جگرم مضمحل آید بیرون

زیب النسا نے لکھا ہے ع

گرم از شعلہ آہی ز دل آید بیرون

لخت لخت جگرم مضمحل آید بیرون

اس غزل میں دو شعر اور بھی ہیں جو لطافت مضمون کے باعث قابل اندراج ہیں ع

مہر نایاب چنان گشتہ کہ از غایت یاس   اشک از چشم یتیمان خجل آید بیرون

خواہ در انجمن شاہ بود خواہ گدا   بے طلب ہر کہ رود منفعل آید بیرون

حافظ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک غزل پر تضمین لکھی ہے تضمین کیا کی ہے غضب ڈھا دیا ہے۔ وہو ہذا ع

ظاہر نشد کہ مطلب ایں دار گیر چیست   رعنائی گل و چمن لالہ زار چیست

پرکس ز لوح رسے کہ نہ دانیم کار چیست   خوشتر ز عیش و صحبت و باغ و بہار چیست

ساقی کجاست گو سبب انتظار چیست

ساقی چہار فصل جہان ہست روزگار   فصل دے و تموز و خزان ست و نوبہار

باہر چہار فصل بود بادہ خوش گوار   ہر وقت خوش کہ دست دہد مغتنم شمار

کس را وقوف نیست کہ انجام کار چیست

باشد چہ ابتدا از ل و انتہا عدم ۔ موجود میانہ کریم است ذوالکرم
ساقی بیا ۔ بادہ گلگون بجام جم این موسم بہار و گل در روضہ ارم
جز طرف جوئبار و می خوشگوار چیست

بے اختیار کار نہ صبر است و اختیار ۔ زاہد جو ہست بلائے خدا چیست کار ما ۔
ترک شراب عشق خطا ہست در بہار سہو و خطاے بندہ گرت نیست اختیار
معنی عفو و رحمت پروردگار چیست

دنیا و آخرت خود دیگر حبیلہ اند آبادی و خرابی ہمارا وسیلہ اند
گوی درین میان ہمہ نیکو و حیلہ اند مخمور و مست ہر دو جوانی یک قبیلہ اند
با دل بعشوہ کہ و ہم اختیار چیست

اور اگر جام می بتواند کسے خموش حرفے ازین نزاہد نخواہد کسے خموش
صوفی باین نوا برساند کسے خموش زاہد درون پردہ نداند کسے خموش
ای مدعی نزاع تو باپردہ دار چیست

عاشق نشان داغ خود از داغ لالہ خمور نشاط سے صاف و پیالہ خواست
زیب النسا مراد خود از آہ و نالہ خواست زاہد شراب کوثر و حافظ پیالہ خواست
تا در میانہ خواستہ کردگار چیست ۔

باوجودیکہ ایسے معرکے روز ہوتے تھے مگر پردہ برابر قائم رکھی
چھوٹی چھوٹی عمر تک کے بچوں کو سامنے آنے کی ممانعت تھی +
ایک دفعہ ایک ایرانی شہزادے نے جو شاعر تھا اور بیگم صاحبہ کا خواستگار
بھی تھا طرحی غزل میں یہ شعر لکھا ؎

ترا اے مہ جبین بے پردہ دیدن آرزو دارم
جمالت ہاے صنعت را رسیدن آرزو دارم

بیگم صاحبہ اس کے مطلب کو تاڑ گئیں اور دوسرے روز جو غزل لکھی اس میں پڑھا ۔

بلبل از گل بگذرد گر در چمن بیند مرا
بت پرستی کے کند گر برہمن بیند مرا
در سخن مخفی شدم مانند بو در برگ گل
ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

کہتے ہیں کہ علمی شغلوں کی دھن میں لگے رہنے کی وجہ سے اور لوگوں کی تعریف سے اُس کے دماغ میں وہ مفاخرت پیدا کر دی تھی کہ اوس نے کسی کی بی بی بنکر تابعداری کرنا اپنی عمر کے کسی حصہ میں گوارا نہ کیا۔ مگر یہ بیان درست نہیں معلوم ہوتا۔ ہاں دوسری بات کہ اُسکے چچا دُں اور عموی زاد بھائیوں کے ساتھ جو اُسکے باپ نے سلوک کئے تھے انکو دیکھ کر بے ثباتی دنیا کا نقشہ دل میں کھنچ گیا اور لذائذ دنیوی سے نفرت ہو گئی تھی۔ قرین قیاس ہے ۔

مگر ایک تیسرا بیان ان دو نو بیانوں کی تردید کرتا ہے وہ یہ ہے کہ عالمگیر نے اس کی نسبت دارا شکوہ کے بیٹے سے کر دی تھی۔ لیکن جب اُس کو ہلاک کرا دیا۔ تو اُسکے دل پر سخت صدمہ گزرا اور باپ کے اُس کام کو گو وہ کسی پولٹیکل مصلحت سے ہی کیا گیا تھا۔ سخت ناپسند کیا اور دوسری جگہ نسبت کرنا چاہی تو صاف انکار کر دیا ۔

بہر حال تمام عمر تارک رہی اور رنڈ نہ کیا۔ اور اسی وجہ سے لوگ اُسے متہم کرتے ہیں ۔ کہ اُس نے نفسانی خواہشات سے مجبور ہو کر عاقل خان نامی اپنے باپ کے وزیر زادہ سے ناجائز تعلقات پیدا کر لئے

چاہیے جن کو اہل اسلام سخت معصیت اور اعلیٰ وجہ کی رسوائی اور بے عزتی خیال کرتے ہیں۔ مگر اسکا سچا اور صاف ثبوت کہیں نہیں ملتا اُس کے حالات پر جو تھوڑے بہت ملتے ہیں جب غور کیا جاتا ہے تو ہم اُسے لوث سے بالکل مبرّا پاتے ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ عاقل خاں سے اُس کا خاص انس تھا۔ مگر وہ صرف اس کے ہمعصر شاعر ہونے کے باعث سے تھا اور وہ پاک محبت تھی۔ گو وہ انس باعث تکالیف ہوا۔ مگر جیسا لوگوں کا خیال ہے مندرجہ ذیل شعر سے غلط ثابت ہوتا ہے۔

قسم بکبریٰ حاجات و احمد مرسل
کہ پاک بازئے من باعث گناہ منست

مجملاً اس طرح بیان ہے کہ شروع ۱۰۷۲ھ میں شہنشاہ عالمگیر بیمار رہے حکیموں نے تبدیل آب و ہوا کی صلاح دی۔ شاہ کو دارالسلطنت سے باہر جانا پڑا اور پنجاب تشریف لائے۔ جب لاہور میں آ گئے تو یہاں زیادہ حصہ تک ٹھیرنا چاہا اور قبایل حرم کو بھی اسی جگہ بلوالیا اور زیب النسار بیگم بھی یہاں آئی۔ گو شاعری کا سلسلہ ساتھ ہی لائی۔ مشاعروں کا بازار گرم ہوا شعرا شعرا کے چرچے شروع ہو گئے۔

ان دنوں نواب عاقل خاں لاہور کا ناظم تھا۔ اور وہ مزاجی کے اعلیٰ منصب پر ممتاز تھا گو خود بھی شاعر تھا۔ مگر لاجواب مضامین جو زیب النسار بیگم کی اعلیٰ طبیعت کا نمونہ ہوتے تھے سن سن کر دنگ ہوتا تھا۔ آخر الامر

شنتہا عشق از دیدار خیزد بسا کیں دولت از گفتار خیزد

اُس کے سر میں شوق دیدار سما گیا۔ آنکھوں سے دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ مختلف ذرایعہ سے کوشش کی۔ نامہ و پیام بھیجے۔ مگر جب کچھ پیش نہ چلی تو ہر روز حفاظت شہر اور گشت کے بہانہ سے خود محلات کے ارد گرد چکر کاٹنے لگا۔ ایک دن جب نواب صاحب قلعہ کے شمال کی جانب دیوار سے نیچے نیچے جا رہے تھے۔ اُسوقت زیب النسا بیگم اناقیہ گلناری رنگ کا جوڑہ زیب بدن کئے ہوئے بام قلعہ پر ٹہل رہی تھی۔ نواب صاحب کی نظر اُس گل زینت و باغ حسن پر جا پڑی۔ دیکھتے ہی عنان اختیار ہاتھوں سے جاتی رہی دل قابو سے نکل گیا۔ تنوں کی وہ آگ جو پہلے کچھ یونہی سی سلگ رہی تھی۔ اب بھڑک اٹھی چہرہ پر عرق ہو گیا۔ خادم نے مضطرب دیکھ کر سبب مزاج دریافت کیا۔ عاقل خاں نے بے تحاشا باواز بلند بولا ؎

سرخ پوشے بلب بام نظر مے آید

زیب النسا نے یہ آواز سنکر نیچے کی طرف دیکھا تو ایک خوب صورت نوجوان کو حسن کی آنکھوں نے شاید تیلس بھارین بھی نہ دیکھی ہو گی یا بمشکل اتنے ہی موسم بہار مانگے کر لئے کے جاتے ایں کے سامنے گذر کر ہوسنگے۔ مصرع بالا کو مکرر دہراتے سنا ہو۔ سمجھ گئی کہ بیچارہ بھی تیر نگاہ ناز سے زخمی ہو گیا ہے۔ ذرا زیادہ غور سے دیکھنے لگی۔ اتنے میں پہلے کی طرح پھر عاقل خاں نے پڑھا۔

سرخ پوشے بلب بام نظر مے آید

یہ بھی حاضر جواب تھی بھلا اس سے کب رہا جاتا تھا۔ فی البدیہہ بولی ؎

شہزادی نوزیور و زر نظر سے آید

اتنا کہکر پیچھے ہٹ گئی۔

نامراد محبت کا دستور ہے کہ دونوں گھروں میں آگ لگاتی ہے ؎

عشق اول در دل معشوق پیدا میشود
تا نہ سوزد شمع کے پروانہ شیدا میشود

جب تک عاقل خاں کو آنکھوں سے نہ دیکھا تھا۔ نامہ و پیام سب رد ہوتی تھے۔ آج اُس کی صحبت ادھر بھی اثر کر گئی۔ مگر مبادا راز افشا ہو جائے بڑے ضبط سے کام لیا اور گھر کو چلی گئی۔ عاقل خاں واپس ہوا مگر دل وہیں چھوڑ آیا۔

کچھ دنوں تک دونوں خاموش رہے۔ مگر دونوں کے دل کسی کام میں نہ لگتے تھے اور ایک دوسرے کے دیکھنے کو ترستے تھے۔

زیب النساء بیگم کو بھی چونکہ لاہور کی آب و ہوا بہت پسند آ گئی تھی اس لئے اُس سڑک پر جو انارکلی کی طرف سے ملتان کو جاتی ہے۔ ایک باغ بنوانا چاہا۔ اور عمارت شروع کرا دی۔ ایک دن جب کہ باغ تیار ہو رہا تھا معائنہ کے واسطے تشریف لیگئی۔ عاقل خاں نے بھی سراغ لگانا شروع کیا۔ کہ شہزادی نے آج کدھر کا عزم کیا ہے۔ جب پتہ لگ گیا تو موقع غنیمت سمجھ کر باغ تک پہنچا۔ معلوم ہوا کہ بارہ دری تیار ہو گئی ہے۔ اوپر کے مکانات زیر تعمیر ہیں۔ مگر اندر جانے کی صورت نہیں۔ شاہی پہرہ کے سپاہی چاروں طرف گشت کر رہے ہیں۔ عاقل خاں اس وقت عقل کو کام میں لایا۔ اور جلدی سے واپس آ کر مزدوروں کا بھیس بدل۔ گارے کا

ؔ عاقل خاں۔ عالمگیر کے وزیر کا بیٹا تھا۔ شاہ جہاں نے بنظر عاطفت اُسے لاہور کا ناظم کر دیا تھا۔ تن و توش میں مضبوط اور جیالا جوان تھا۔ جوانی اور تندرستی چہرے کے سرخ اور سفید رنگ ہی سے اپنی جھلک دکھا رہی تھی۔ مگر وجاہت نسبتوں میں نہ تھا۔ مگر صورت ایسی تھی کہ کھلی نگاہ اسے برا ہی دیکھے دوسری

کو ڈا سر پر رکھ۔ بے تکلف پہرے کے اندر گھس گیا۔ اور اُسجگہ پہنچ گیا جہاں مستری کام کر رہے تھے۔ عین اُسی مکان کے سامنے ایک تیار شدہ عمارت میں شہزادی سہیلیوں کے ساتھ چوسر کھیل رہی تھی۔ عاقل خان نے اشارہ کیا۔ مگر چونکہ شہزادی کھیل میں مصروف تھی۔ اس نے نہ دیکھا۔ تب بلند آواز سے بولا ؎

"من در طلبت گرد جہاں میگردم"

اتنا کہکر مستری سے مخاطب ہوا اور کہا "گبر استاد آبک" زیب النسا بیگم آواز سنتے ہی تاڑ گئی اور کھیلتے کھیلتے کہا ؎

"گر باد شوی بر سر زلفم نہ رسی"

اور سہیلیوں سے بولی "شش پنج و دو یک" اور جلدی کھیل ختم کر کے چوسر اٹھالی ؛

بادشاہ کچھ دنوں رہکر دار السلطنت کو واپس تشریف لیجا چکے تھے صرف زیب النسا بیگم تکمیل عمارت کے لئے یہاں رہ گئی تھی۔ فلک بے رحم کا قاعدہ ہے ؎

یہ دو دل کو یک جا بٹھاتا نہیں
کسی کا اُسے عیش بہاتا نہیں

ایک بار کسی خواص سے شکر رنجی ہو گئی۔ اور اسنے ایسی ویسی خبریں بادشاہ کے کان تک پہنچا دیں۔ بادشاہ یہ سنکر نہایت ہی برہم ہوا۔ اور زیب النسا

(بقیہ نوٹ) گذر جائے چیونٹوں سے بھی چہرہ کا طرح رعب و داب ہویدا تھا قدرت سے ہی اُس نے کچھ نقش و نگار ایسے موزون پائے گئے کہ اُسکی صورت کے دیکھنے والوں میں اُسکی خدمت یا الفت یا باتیں کرنے کی آرزو فوراً پیدا ہو جاتی تھی ؛

کو دہلی میں بلا کر شادی کرنے پر مجبور کیا۔ جب شہزادی نے دیکھا کہ بغیر میری شادی کئے بادشاہ باز نہیں آئینگا تو دست بستہ عرض کی کہ نکاح رسول مقبول کی سنت ہے۔ حکم خدا اور رسول کے بجا لانے سے کسی مسلمان کو انکار نہیں ہو سکتا۔ مگر میری آرزو یہ ہے کہ تمام اعلیٰ درجہ کے ارکین دولت اور اعیان سلطنت کی تصاویر آپ طلب فرمائیں۔ ان تصویروں کو دیکھکر جس شخص کو میں پسند کروں۔ اُس کے ساتھ میری شادی کر دیجئے۔ پادشاہ نے اس تجویز کو پسند کیا۔ اور تمام ذی رتبہ لوگوں کی تصویریں منگوائیں۔

زیب النسا بیگم نے عاقل خاں ہی کی تصویر کو پسند کیا۔ پادشاہ نے اُس کے نام رقعہ لکھا کہ "برخوردار زیب النسا بیگم کی شادی مجھے منظور ہے اور اسکا میلان طبع تمہاری طرف پایا جاتا ہے۔ اگر تمہیں بھی حکم خدا و رسول اپنے عقد زوجیت میں لانا منظور ہے تو آؤ" ادھر یہ شاہی رقعہ بھیجا گیا۔ ادھر ایک امیر نے حسد کے مارے خفیہ طور پر ایک خط عاقل خاں کو لکھ بھیجا کہ دختر شاہ سے عشق کرنا بازیچۂ اطفال نہیں ہے۔ شاہ کو آپ کی کاروائیوں کی خبر پہنچ گئی ہے۔ اب آپ دہلی تشریف لائے اور اپنے عشق کا انجام بھگتئے ان دونوں کے خطوں کے پہنچنے سے عاقل خاں کو خیال گذرا کہ ضرور میرا راز افشا ہو گیا۔ اور بادشاہ بغیر جان لئے پیچھا نہیں چھوڑیگا۔ بہتر ہے کہ نوکری سے ہاتھ اٹھاؤں۔ یہ سوچ سمجھ کر بادشاہ کو لکھ بھیجا کہ شادی تو درکنار مجھے نوکری بھی منظور نہیں۔ شاہی نمک میں نے بہت کھایا ہے۔ اب معاف رکھا جاؤں۔ اور ساتھ ہی نوکری سے علیحدہ ہو کر خفیہ طور پر دہلی چلا آیا۔ زیب النسا بیگم کو جب یہ خبر اڑتی

اُٹھتے پہنچی تو اُسے ازحد افسوس ہوا اور ایک محرم راز کو لکھا ؎

شنیدم ترک خدمت کرد عاقل خان بناوانی

حامل رقعہ لیکر جارہا تھا۔ رستہ میں عاقل خاں مل گیا اور اوس نے پوچھا "کدھر جا رہا ہے" اس نے کل حال بیان کیا۔ عاقل خاں نے وہ رقعہ لیکر اُسکی پشت پہ لکھدیا ؎

چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

اور حامل رقعہ کو کہدیا کہ "جا شہزادی کے پاس ا سے واپس لیجا بس یہی جواب ہے" کچھ دنوں بعد سلسلہ آمد رفت پھر شروع ہوگیا عاقل خاں اکثر اوقات زیب النسا بیگم کے پاس جاتا تھا۔ شاہ کو لوگوں نے خبر دی مگر چونکہ کچھ ثبوت نہ تھا اور اپنے ناموس کا بھی پاس تھا۔ اس لئے مصلحت وقت سوچکر چپ ہو رہا۔ مگر جاسوس مقرر کر دیے۔ کہ جب عاقل خاں آئے حضور میں خبر کر دیجائے۔ ایک روز زیب النسا بیگم باغ میں تھی عاقل خاں بھی موجود تھا۔ خبرداروں نے خبر کردی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ فوراً ایک دستہ سپاہ جاکر تمام باغ کا ایسا مضبوط محاصرہ کرے کہ ہوا تک باہر نہ جا سکے۔ حکم حاکم مرگ مفاجات۔ فوراً اس حکم کی تعمیل ہوئی۔ بعدہٗ اورنگ زیب باغ میں داخل ہوا کسی خواص نے یہ خبر زیب النسا بیگم اور عاقل خاں تک بھی پہنچا دی۔ دونو یہ خبر وحشت اثر سنکے بید کی طرح تھر تھرانے۔ لگے منہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں عاقل خاں نے سہمی ہوئی آواز میں کہا کہ مجھکو کہیں چھپاؤ زیب النسا جو خود حواس باختہ ہورہی تھی یہ کہنے لگی کہ کہاں چھپاؤں مگر جا...

ایسی عزیز ہوتی ہے کہ اُسکے بچاؤ کی خاطر انسان اکثر ناجائز حفاظت کرگزرتا ہے۔ زیب النسا نے عاقل خاں کو ایک بڑی سی دیگ میں بٹھلا کر سرپوش سے ڈھک دیا۔ اورنگزیب نے باغ کا پتہ پتہ چھان مارا۔ مگر کہیں مطلوب کا پتہ نہ ملا۔ آخرالامر تمام خاصوں کو بلاکر پوچھا۔ کسی کو دھمکایا۔ کسی کو انعام کا وعدہ فرمایا۔ مستورات کمزور طبیعت مشہور ہیں۔ ایک خواص نے بتلا دیا کہ فلاں دیگ میں چھپا بیٹھا ہے۔ بس پھر کیا تھا اورنگزیب عالمگیر فوراً اُس دیگ کے پاس آئے۔ اور زیب النسا کو بلوا کر پوچھا کہ اس دیگ میں کیا ہے۔ زیب النسار نے ڈرتے ہوئے کہا۔ کہ پانی گرم کرنے کے لئے بھرا ہوا ہے۔ شاہ نے کہا پھر گرم کیوں نہیں کیا گیا۔ بولی ابھی تیار ہو جاتا ہے۔ شاہ نے کہا ابھی اس کے نیچے آگ جلا دو۔ زیب النسا دم بخود ہو گئی۔ دوطرفہ مصیبت میں گرفتار تھی۔ باپ کے حکم سے بھی نافرمانی نہیں کرسکتی تھی۔ اور عاشق صادق کو بھی چولھے پر نہیں دھر سکتی۔ کچھ دیر تک خاموش رہی۔ مگر جب شاہ نے دوبارہ باصرار حکم دیا تو جان لیا کہ باپ اس بدقسمت جانباز کی جان لئے بغیر نہیں ٹلیگا۔ مجبوراً دیگ کے نیچے آگ جلوادی۔ اور دبی ہوئی آواز سے دیگ کے پاس کھڑے ہو کر کہا ؎

دم باش مثال کلہ پارہ

یعنی اے عاقل خاں اگر تو میرا عاشق صادق ہے۔ تو میری ناموس کی خاطر جان دیدینا۔ مگر آواز نہ نکالنا جیسے بکرے کی سری پک پک کر گل جاتی ہے مگر آواز نہیں نکالتی۔ دل جسطرف لگا ہوا ہوتا ہے اُس کے حصول کیواسطے انسان اخیر دم تک امیدوار رہتا ہے زیب النسار نے آگ بہت آہستہ آہستہ جلوائی۔ اس خیال سے کہ بادشاہ چلا جائے۔ تو نیم بسمل ہی نکال لوں

مگر ع

تقدیر کے لکھے کو مٹاتا نہیں کوئی

بھلا قضا کیونکر ٹلتی۔ جب تک دو ڈھائی من لکڑیاں دیگ کے نیچے نہ جل چکیں اور اسکا گوشت گل کر حلیم نہ ہوگیا۔ اورنگ زیب بیٹھا رہا۔ مگر واہ رے عاشق! صادق القدمی ہو تو ایسی ہو۔ جل کر راکھ ہوگیا مگر اف تک نہ کی۔ ڈاکٹر برنیر نے اس واقعہ کو بچشم خود دیکھا ہے۔ اور اپنے سفرنامہ میں درج کیا ہے۔ وہ کہتا ہے میں نے کبھی کسی کو ایسی بہادری اور ثابت قدمی سے جان دیتے نہیں دیکھا۔ نہ سنا۔ جیسا کہ عاقل خاں نے جان دی۔

بعض مورخ لکھتے ہیں کہ عاقل خاں کو جلا کر اورنگ زیب نے اپنی بیٹی کو بھی قید میں ڈال دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس بات پر نہیں۔ بلکہ شہزادہ اکبر سے جو باپ سے باغی ہوگیا تھا۔ خط و کتابت کرنے کی وجہ سے زیب النسا قلعہ سلیم گڈھ میں قید کی گئی تھی۔ بہرحال کسی باعث سے قید ہوئی ہو۔ مگر قید میں ضرور رہی۔ جس کا ذکر وہ خود بعض غزلوں میں کرتی ہے۔ مثلاً ؎

سودائے زقید ستم آزاد نگشتم	یک لحظہ زغمہائے جہاں شاد نگشتم
گر خانہ زنجیر مخفی زدہ بدیوار غم	شکر اللہ کہ جفائے ستمگاں آلودہ ام
دل من اسیر مخفی بہ بلائے ہجر تاکے	بجز ہوائے وصلت گنہ دگر ندارم
تا مرا زنجیر در پائے دل دیوانہ شد	دوست شد دشمن مرا و آشنا بیگانہ شد

بعض اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ قید میں رہائی کے لئے تڑپتی تھی۔ اور دن گنتی رہتی تھی۔ چنانچہ ایک شعر میں کہتی ہے ؎

مخفی امید رہائی تا بروز حشر نیست	خاک غربت ہر کہ را عہد دامنگیر شد

جب اسیری سے رہائی ہوئی تو باقی عمر دہلی میں اقامت گزیں رہیں۔ مگر گوشۂ تنہائی اختیار کر لیا تھا۔ اور سب سے ملنا جلنا ترک کر دیا تھا ہاں! اپنی تاریکی کے اجالے اور تنہائی کے رفیق یعنی شاعری سے تھوڑا بہت سروکار رکھا تھا جس سے وہ زمانہ کی بیوفائی۔ حاسدوں اور حسینوں کی بیجا مظالم کی شکایتیں کرتی رہتی تھیں۔ چنانچہ کہتی ہیں ۔

دگر مخفی چہ فکر نام و ننگ است
حریفان چون ترا بدنام کردند
روز نو بختی چو آید آشنا دشمن شود
غم جدا شادی جدا دوست جدا دشمن شود
نیست مخفی در دل ما با کسے چون دشمنی
ہر کہ با ما دشمن است او با خدا دشمن شود
شکوہ از بیگانگان و آشنایان چون کنم
تقدیر ما روز ازل بخت زبونم دادہ اند

چونکہ خود تجربہ ہو چکا تھا ایک مقام پہ کہتی ہے کہ معاملہ عشق میں کسی کو ہمراز نہ بنانا چاہیئے ۔

رہ عشق است مخفی مجرد باید رفتن
کہ گر عیسے بود ہمراہ رفاقت را نمے شاید

ناصر علی نے ایک بار ایک قطعہ لکھ کر خدمت میں روانہ کیا ۔

ز پنہانی تو گر زینت بہ بیرون نہ مقام خود
کہ چون طاؤس ہمہ یاد تاریکی ایام خود

تماشا کردہ ام باغ و بہار بید ماغی را
پس از عمر علی سرخویش مے خوانم کلام خود

مگر اس کا جواب کچھ نہ آیا۔

اس مقام پر ایک اور لطیفہ بھی قابل اندراج ہے۔ بیگم صاحبہ بعد رہائی جب دہلی میں تشریف فرما تھیں تو یہ قطعہ اپنے حسب حال لکھا ؎

بشکند دستے کہ خم در گردن یارے نہ شد
کور بہ چشمے کہ لذت گیر دیدارے نہ شد
صد بہار آخر شد و ہر گل بفرقے جا گرفت
غنچۂ باغ دل ما زیب دستارے نہ شد

یار لوگوں نے جو خواہ مخواہ اس سے چھیڑ چھاڑ رکھا کرتے تھے جب اس قطعہ کو سنا تو اس پر طرح طرح کے مذاق اڑائے اور میر زور خاں نے ایک مصرع اپنی طرف سے لگا کر اس کو مخمس کر دیا ؎

پیر شد زیب النسا لیکن خریدارے نہ شد

وفات

آخر وقت تک دہلی میں ہی اقامت گزیں رہی۔ سنہ ۱۱۱۳ھ میں ایک دن شام کو پہلی خنکی ہوئی۔ رات کو تشنگی معلوم ہوئی۔ خادمہ نے پانی دیا صبح کو تپ معلوم ہوئی۔ سات روز بیمار رہی۔ اور آٹھویں دن راہی ملک عدم ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

محمد محی الدین عالمگیر اسوقت برہان پور میں تھا۔ وہیں اس کا وصیت نامہ منگوایا اور اسی کے بموجب نعش ۱۱۱۳ھ میں [illegible]

اُس باغ میں جو اُسنے نواں کوٹ کے قریب بنوایا تھا. دفن کی گئی -
تاریخ وفات اُس کی جو کسی شاعر نے لکھی ہے بہت ہی عجیب ہے ؎

آہ زیب النساء بحکم قضا — ناگہاں از نگاہ مخفی شد
نبع علم و فضل و حسن و جمال — ہمچو یوسف بچاہ مخفی شد
سال تاریخ از خرد جستم — گفت ہاتف کہ ماہ مخفی شد

اس باغ کو معہ ایک مقبرہ کے زیب النساء نے اپنی حیات میں تیار کرایا تھا - چار دیواری اس باغ کی پختہ اور چار دروازے تھے اب شمالی دروازہ اور دروازہ کلاں شرقی موجود ہیں. مشرقی دروازہ کلاں کے چاروں گوشوں پر چار مقطع برجیاں کاشی کار بارہ دری بنی ہوئی ہیں. دروازہ کی وسعت اس قدر ہے کہ ہاتھی معہ عماری گذر سکتا ہے مگر زمینداروں نے اب اُسے بند کر دیا ہے. اس دروازہ کی عمارت اور نشستگاہیں قابل دید ہیں - یہ دروازہ اب ایک نمبردار کے قبضہ میں ہے - اور حوالے کرایہ دار رہتے ہیں. شرقی باغ کے دروازے کے گوشوں پر جو دو برج شالامار باغ کے برجوں کی طرح کے ہیں اب تک موجود ہیں - دوسری ڈیوڑھی شمالی بھی قدیم ڈیوڑھی ہے جس میں اب کانوں والوں کی آمدورفت ہے اور ایک خورد دروازہ جنوب کی طرف ہے - نصف باغ میں اب موضع نواں کوٹ آباد ہے کیونکہ مقبرہ زیب النساء بیگم اس باغ کے وسط میں تھا اور اب غربی دیوار موضع کے ساتھ ملحق ہے - اپنے وقت میں نہایت آراستہ تھا اور شالامار باغ سے دوسرے درجہ پر گنا جاتا تھا - اس باغ کی سڑکیں سب سنگ سُرخ کی تھیں - اور حوض اور شاہ نشینیں سنگ مرمر کی -

مقبرہ بھی نیچے سے اوپر تک سنگ مرمر کا تھا۔ اور طلائی خالص کا کلس اُس پر نصب تھا۔

جب سلطنت اسلامیہ جاتی رہی اور سکھا شاہی تاریکی نے پنجاب کو گھیر لیا۔ اور لاہور میں تین حاکم ایک شہر کے مقرر ہوئے تو مقبرہ معہ باغ نواب وزیر خاں۔ عمارات شمالی سمت لاہور وغیرہ۔ سوبھا سنگھ احد الحاکم کے ماتحت آگئیں۔ اسکے اہلکاروں میں ایک شخص محکم دین نامی از قوم ارائیں تھا اور یہ تمام باغات اُس کے سپرد تھے۔ اُس نے اس باغ کو باجازت سوبھا سنگھ اپنا مسکن بنا کر آباد کیا اور اس کا نام نواں کوٹ رکھا۔ غربی دیوار اُسنے گرا کر مکانات بنوائے فوارے سنگ مرمر کے اور خیابان سب اُکھڑوا دیں حوضوں کو بند کروادیا۔ پھر فروخت کر دیے مگر مقبرہ بدستور رہنے دیا۔ اب جا کر دیکھو تو اور بھی بوسیدہ ہو گیا ہے۔ اگر جلد تر اسکی خبر نہ لی گئی۔ تو ایک دن کھنڈر ہو جائیگا۔ اور عنقریب کوئی نشان ایسا باقی نہ رہیگا۔ جس سے معلوم ہو کہ ہندوستان کی بے نظیر شاعرہ کہاں اور کس جگہہ دفن ہوئی تھی۔

باوجودیکہ زیب النسا کفایت شعار تھی تاہم اوسکی فیاضیاں بہت مشہور ہیں صرف چار لاکھ روپیہ سالانہ کی جاگیر اُسکے نام تھی جو علمی شوق کے پورا کرنے میں خرچ ہوتی تھی۔ پھر بھی کچھ نہ کچھ بچا کر مختلف فیاضیوں میں خرچ کرتی تھی۔ ہر سال سینکڑوں حاجیوں کو اپنے پاس سے زاد راہ دیکر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ بھیجتی تھی ہزارہا یتیم بچوں اور بیواؤں کی پرورش اُسکی طرف سے ہوتی تھی۔ الا سپر بد

باغ جو بنام "چوبرجی والا باغ" مشہور ہے۔ اُسنے اپنی کفایت شعاری سے روپیہ بچا کر بنوایا تہا۔ ایک دن باغ میں تشریف فرما تہیں میابائی بہی ساتہہ تہی۔ باتوں باتوں میں دنیا کی بے ثباتی کا ذکر چل پڑا۔ آہ سرد بھر کر بولی! حضور! عمارات اور اولاد سے کچھہ مدت کیلئے دنیا میں نام رہتا ہے ایک ہم ہیں کہ خدا نے اولاد بہی زندہ نہ رکھی اور نہ اتنا روپیہ دیا ہے کہ کوئی عمارت بنواکر چندروزہ نام چھوڑ جاتے۔ ان الفاظ کا زیب النسا کے دل پر اتنا اثر ہوا کہ اُس کی رگ فیاضی جوش میں آگئی۔ اور اُس نے دایہ کی دیرینہ خدمات پر نظر کرکے یہی باغ اُس کو عطا کردیا۔ شرقی دروازہ پر جو قطعہ لکہا ہوا ہے وہ یہ ہے ؎

بنا پذیرشد این باغ روضہ رضوان

(دوسرا مصرع خراب ہوگیا ہے پڑہا نہیں جاتا)

بگشت مرمت این باغ بر میا بائی

زلطف صاحب زیبندہ بیگم دوراں

اب باغ نہیں رہا صرف چند ٹوٹے ہوئے کہنڈرات انارکلی کے جنوب کی جانب باقی رہگئے ہیں مگر تواریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ باغ اپنی صنعت میں اعلےٰ درجہ کا نمونہ تہا۔ چونکہ اس میں چار مینار دروازہ پر تہے۔ اسلئے یہ باغ اب تک "چوبرجی والا" باغ کے نام سے مشہور ہے اس باغ کا عالی شان محرابی دروازہ مشرق کی سمت ہے۔ دونوں طرف چوکیاں بنی ہیں۔ اور اندر دروازہ کے شمال وجنوب کی سمت دو دو شہ نشینیں وہ منزلہ بنی ہیں۔ مینار ہشت پہلو منقطع ہیں جن پر کاشی کا کام ہے۔ اندر کی

عمارات پر بھی کالسی کا کام نظر آتا ہے - دروازہ کلاں کے اوپر دو فٹ نیچے منڈیر سے مطول کتبہ ہے۔ اس میں قرآنی آیات میں سے وہ متبرک آیت جس کا نام آیت الکرسی ہے بخط عربی تحریر ہے - دوسرے کتبہ میں اشعار بخط فارسی تحریر ہیں۔ اس دروازہ کی منڈیروں کے نیچے تین کھڑکیاں قالبوتی بنی ہوئی ہیں۔ اندر جاتے ہی شمال و جنوب میں ہشتمن مکان ہے - جس کی چھتیں قالبوتی اور گنبدی ہیں۔ اسکے آگے ایک اور مکان قالبوتی جسکے دو درجے ہیں موجود ہے - اسی سے آگے متصل منیار غربی ایک عمدہ شہ نشین بنی ہوئی ہے۔ اس پر کالسی کا کام ہے - اور منزل ثانی کے دروازوں پر دونوں جانب مرغول پر لفظ اللہ تحریر ہے - اور بازار جنوبی پر ایک کتبہ ہے جس پر کچھ لکھا ہوا ہے مگر پڑھا نہیں جاتا - صرف اس قدر پڑھا جاتا ہے۔ ؎

...... بر ساخت   میا بانی چوں روضہ عالی ارم

اوپر جانے کے لیے اب کوئی رستہ نہیں ہے اور نہ اندر کی محراب موجود ہے۔

باغ کی موجودہ حالت

آہ! وہ باغ جو ایک دن باغ ارم کا نمونہ ہوگا آج ناگفتہ بہ حالت میں ہے! وہ چمنستان جس میں سیر کناں کے دماغ خوشبوؤں سے معطر ہوتے ہونگے آج جنگل ہوگیا ہے۔ وہ نسیم سحری جو اس گلزار سے گذر کر پژمردہ دلوں میں جان سی ڈالدیتی ہوگی - آج باد سموم کے ہموزن چل رہی ہے - باغ ویران ہوگیا ہے - پھولوں کی کیا - یہاں پر پھولوں کی دستہ سے ایک بوٹا تک نہیں ہے

زمینداروں نے روشوں اور خیابانوں کو بگاڑ کر فصل بونے کو کھیت بنا لیئے ہیں۔ البتہ کہیں کہیں پرانے درخت جو دست برد اور حوادث زمانہ سے بچ رہے ہیں اس کی پرانی عظمت اور شان کی شہادت دے رہے ہیں وہ مقبرہ جس میں شہزادی زمانے کے جھگڑوں سے آزاد آرام و راحت میں میٹھی نیند سوتی ہے اسکی صورت ایسی متغیر ہو گئی ہے کہ دہلی کی کھنڈرات بھی اس سے کم چھپے نظر آتے ہیں۔ ٹوٹے پھوٹے گنبد اور شکستہ چار دیواری کچھ ایسی بے سروسامانی کی حالت میں پڑی ہوئی ہے کہ دیکھتے ہی انقلاب روزگار کا نقشہ آنکھوں میں کھنچ جاتا ہے۔

مولف ایک دن دیکھنے کے لیئے وہاں گیا تو دیرینہ لوگوں سے معلوم ہوا کہ ایک شخص محکم الدین ارائیں کا جس نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کو جنگ کی موقعہ پہ بہت مدد دی تھی مہاراجہ کے آگے بہت اقتدار ہو گیا تھا چنانچہ ہر ایک امر میں خواہ ملکی ہو یا خانگی۔ رنجیت سنگھ اس سے مشورہ لیا کرتا تھا اور ایک طوائف موراں نامی کا ایسا ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ اقتدار تھا یہانتک موراں شاہی گز اور موراں شاہی باٹ اسکے نام پر چلتے تھے۔ نور جہاں کی طرح موراں شاہی سکہ بھی اسکے نام پر تھا ایک دن رنجیت سنگھ کے روبرو کسی بات پر موراں طوائف اور محکم الدین میں بگڑ گئی اور نوبت بانجا رسید کہ موراں نے کہا اگر تیرے سر کو کرا کر ٹکے ٹکے کا ساگ نہ بکواؤں تو موراں میرا نام نہیں محکم دین نے جواب دیا جو تجھے ٹکے ٹکے پر برا بھلا نہ کرایا تو مجھے محکم دین کہنا اس طرح کی علانیہ گفتگو مہاراجہ رنجیت سنگھ کو سخت ناگوار گذری اور وہ محکم دین سے کبیدہ خاطر ہو گیا اور موراں کے ایما سے دوسرے دن اسکی جائداد کی ضبطی کا حکم دیا۔ ان دنوں بارہ دری قلعہ کے آگے بن رہی تھی وہاں پتھر کی

ضرورت تھی۔ سکھہ جب مکان ضبط کرنے کو نیا کوٹ گئے تو پتھر تک اکھڑوا لائے۔ اور مقبرہ ویران کر آئے ؎

آں قصر کہ بر چرخ ہمی زد پہلو | بر درگہِ او شہاں نہادندے رو
دیدیم کہ بر کنگرہ اش فاختہ | بنشستہ ہمیگفت کہ کو کو کو کو

پچھلے دنوں میں گورنمنٹ نے پرانی عمارت کی مرمت پر کچھہ روپیہ صرف کیا تھا۔ دیرینہ اور شکستہ عمارات کی فہرست بنائی گئی تھی تو اس مقبرہ کا نام بھی لکھا گیا تھا۔ اسوقت چونہ سے تھوڑی بہت پچہ کاری ہوگئی تھی مگر اب پھر وہی حال ہے۔

اس مقبرہ پر خدا جانے کس کا قبضہ ہوگیا ہے جس نے چاروں دروازوں کو پھوس کی ٹٹیاں لگواکر بند کردیا ہے اور اس میں مرغیاں پال رکھی ہیں جس سے مقبرہ غلاظت سے بھرا رہتا ہے۔ اور مرغیوں کی حفاظت کیلئے ایک کتا پالا ہوا ہے جو زایروں کی مزاج پرسی کرلیتا ہے۔ اور اسوقت کسی کی پیشینگوئی جو دہلی والوں کے بارے میں تھی یاد آجاتی ہے۔

"جنگل کے وحشی جانور تجھہ میں بسیرا لینگے۔ اور تیرے گھروں میں نہایت منحوس جانور چیخیں اور چلائینگے۔ دروں پر الو پاسبانی کرینگے اور عشرت منزلوں میں بندر ناچینگے۔

زیب النسا بیگم اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ علم دوست تھی۔ لایق آدمیوں کی قدر کرتی تھی۔ مصنفوں اور شاعروں کو ان کی تصانیف کے صلہ میں مالامال کرتی تھی۔ اسنے خوشنویسوں اور کاتبوں کو نوکر رکھہ کر عمدہ اور لاجواب اور نایاب کتابوں کی نقلیں بہم پہنچائیں۔ اور اس طرح سے وہ لاجواب کتب خانہ قایم کیا جس کا شہرہ ایران اور توران تک پہنچ گیا۔ کشمیری کا خدا اور وہاں کے

خوشنویس چونکہ اس زمانے میں بہت مشہور تھے اس لئے زیب النسا نے بچت کا لحاظ کرکے محمد محی الدین عالمگیر سے اجازت حاصل کی اور وہاں کتابت کا دفتر قائم کیا۔ وہاں سے کتابیں تیار ہو کر اس کے پاس آتی تھیں اس دفتر کا انتظام ملا محمد شفیع الدین صاحب کے سپرد تھا اور ان کو تنخواہ بھی زیب النسا کی سرکار سے ملتی تھی۔ ملا صاحب نے باستمداد ملا عنایت احمد صاحب کلام مجید کی تفسیر بنام زیب النسا تالیف کی اور اس خوب صورتی اور آراستگی سے تیار کرایا کہ خود عالمگیر دیکھ کر پھڑک گیا یہ نسخہ اب تک دولت ایران کے کتب خانہ میں موجود ہے ؀

ایک مثنوی مولوی معنوی کے ڈھنگ پر لکھی گئی ہے۔ مگر چھپی نہیں اس مثنوی میں کوئی دو ہزار شعر ہونگے۔ معرفت کا دریا بہا دیا ہے اور کتابیں بھی بنام نامیہ تصنیف ہوئی تھیں مگر اب پتہ نہیں چلتا ہے ؀

اس کا قاعدہ تھا کہ صبح اٹھ کر حوائج ضروریہ سے فارغ ہو کر نماز پڑھتی تھی بعدہٗ تلاوت قرآن شریف۔ پھر کتابیں جو تیار ہو کر آتیں ان کا مطالعہ کرتی پھر کسی دیوان کو لے کر دیکھتی تھی۔ اس میں سے جو طرح پسند آتی اس پر آپ غزل لکھتی تھی۔

دیوان حافظ کا اکثر مطالعہ رہتا تھا اور زیادہ تر غزلیں دیوان حافظ کی طرح پر لکھی گئی ہیں۔ اور عمدہ لکھی گئی ہیں۔

لوگوں کا یہ بھی بیان ہے کہ شروع میں جو غزلیں لکھتی تھی مقطع میں اپنا تخلص نہیں رکھتی تھی۔ بلکہ دارا شکوہ کے نام (جس کے ساتھ اس کا بہت پیار تھا) موسوم کرتی تھی۔ دیوان دارا شکوہ میں اکثر غزلیں اس کی تصنیف کی ہیں چنانچہ دیوان دارا شکوہ کا پہلا شعر یہ ہے۔ شعر

۵

ہمہ موجود ورد بود ما

گنج مخفی است ایں نمود ما

سو یہ اشارہ زیب النسا کی طرف ہے جس نے دیوان مرتب کرنے میں بہت کچھ مدد دی تھی اس میں جائے کلام نہیں کہ شاعری میں اس نے فنافی الشعر کا رتبہ حاصل کر لیا تھا۔ دن رات اسے شعر بنانے کی دُھن لگی رہتی تھی مگر افسوس کہ اُس کی آنکھ بند ہوتے ہی خاندان تیموریہ میں فتنہ و فساد برپا ہو گئے جو ایک عرصہ دراز تک فرو نہ ہو سکے ایسے وقت میں علمی معلومات کی طرف توجہ ہونا ناممکنات سے ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ زیب النسا کی ساری تصانیف اب تک دستیاب نہیں ہو سکیں اور تو اور دیوان بھی مکمل نہیں ملتا اس کے اشعار اس پریشانی سے اِدھر اُدھر پڑے ہوئے ہیں کہ جن کا سمیٹنا نہایت ہی دشوار ہے اور اسی باعث سے کوئی اس تکلیف کو گوارا نہیں کرتا سنہ ۱۱۳۵ھ میں اس کا کلام جو دست برد اور حوادث زمانہ سے بچ رہا تھا جمع کیا گیا۔ اور دیوان مخفی نام رکھا گیا۔ مگر یہ بالکل نامکمل تھا اس میں صرف ۴۲۱ غزلیں اور چند رباعیات تھیں اور پس سنہ ۱۱۴۲ھ میں پھر کوشش کی گئی اور ۵۰ سے زیادہ غزلیں اور ملیں جو دیوان میں شامل کی گئیں ؛

بعدہٗ اس کی بہت سی نقلیں بھی کی گئیں اور جہاں تک ہو سکا زیادتی بھی ہوتی گئی مولف نے بہت سے نسخے دیکھے ہیں۔

پہلا نسخہ۔ مولوی حسن علی اکبر آبادی کے ناخن کا لکھا ہوا ہے سنہری جدول ہے خط بہت پاکیزہ مگر گنجان۔ خاتمہ پر سنہ ۱۱۳۸ھ تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شاید پہلا نسخہ ہو گا جو دیوان مرتب کرنے کے بعد نقل کیا گیا تھا۔

دوسرا نسخہ خط نسخ میں ملا۔ مگر اکثر مقامات پر کتابت میں غلطیاں تھیں۔

کاتب کا نام پڑھا نہیں جاتا۔ صرف . . . . خاں بیگ پڑھا جا سکتا ہے سنہ بھی مٹ گیا ہے مگر جب خوردبین سے دیکھا گیا تو ۱۰۹۶ یا ۱۱۷۶ معلوم ہوتے ہیں۔

تیسرا نسخہ مسٹر مور کے پاس دیکھا گیا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ انہیں کابل میں ہاتھ لگا تھا۔ یہ بہت عمدہ ہے۔ اس نسخے کی خوبی نہ صرف اس کی صحت اور خوشخطی پر منحصر ہے۔ بلکہ جدولوں پر نہایت ہی خوبصورت کام کیا ہوا ہے سنہ کتابت تو معلوم نہ ہو سکا۔ مگر بوسیدگی کاغذ و طرز تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت پرانا ہے کم از کم سو سال کا لکھا ہوا ہوگا۔

چوتھا نسخہ منشی رحیم بخش صاحب (پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ) کے پاس سے آیا یہ گو خوشخط نہیں ہے۔ مگر اس میں غزلیں سب سے زیادہ ہیں یہ تازہ لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ تو بھی چالیس سال سے کم پرانا نہیں۔

پانچواں نسخہ سید بہادر شاہ صاحب سوداگر عجائبات کے پاس سے ملا گو اس کا خط معمولی اور بے قاعدہ ہے مگر اکثر مقامات پر غلطیاں پائی گئیں جو کاتب کی کم علمی کے باعث سے تھیں۔ کاتب کا نام حسن علی ہے۔ مگر سنہ کتابت ندارد ہے

چھٹا نسخہ۔ ایران کا چھپا ہوا تھا۔ یہ بھی مثل نسخہ بالکم و بیش غلط تھا مگر خط پاکیزہ تھا۔

ساتواں نسخہ پنجاب پبلک لائبریری میں دیکھا گیا ہے یہ بھی قلمی ہے مگر صحت اور خط میں نہایت وقعت کے قابل ہے یہ ۱۲۱۳ھ کا لکھا ہوا ہے۔

آٹھواں نسخہ مطبع نولکشور لکھنؤ کا چھپا ہوا مگر نامکمل ہے۔

نواں نسخہ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ کا چھپا ہوا مگر نامکمل ہے۔

دسواں نسخہ یہ بھی مطبع نولکشور لکھنؤ کا چھپا ہوا ہے۔ اس کا کاغذ بہ نسبت دونوں پہلوں کے قدرے عمدہ ہے اور خط بھی صاف ہے۔

گیارہواں نسخہ یہ بھی منشی نولکشور کے مطبع کا چھپا ہوا ہے اس میں چند اور غزلیں زیادہ ہیں۔

بارھواں نسخہ ۔ ایضاً

تیرہواں نسخہ ۔ ایضاً

چودہواں نسخہ ۔ ایضاً

پندرہواں نسخہ ۔ یہ بھی مطبع منشی نولکشور کا چھپا ہوا ہے ۔ مگر کانپور میں طبع ہوا ۔ اس کے ۲۸ صفحہ ہیں ۔ خط معمولی مگر غلطیاں بہت ۔

سولھواں نسخہ ۔ یہ آفتاب پریس کا چھپا ہوا ہے اور عمدہ طور سے تکمیل کو پہنچایا گیا ہے ۔ کاغذ اور کتابت لائق تعریف ہے مگر نامکمل ہے ۔

سترہواں نسخہ ۔ یہ لاہور میں چھپا ہے مگر ایسا عمدہ نہیں کہ جیسا ہونا چاہئے ۔

افسوس زمانہ کی ناقدر دانی نے اس کی محنت کی داد اچھی طرح سے نہ دی سوائے ایک دیوان کے اور کوئی اس کی تصنیف نہیں چھپی ہے ۔ دیوان بھی جو آجکل بازاروں میں ملتا ہے بالکل ناملکی ہے دیوان کے دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے کلام میں بلند پروازی رنگینی ۔ نازک خیالی وغیرہ تو بہت کچھ ہے مگر تاثیر کم ہے سو اسکی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ عورت تھی اگر مرد ہوتی تو خدا جانے کیا ستم ڈھاتی ۔ پھر بھی ہر ایک بات کو نہایت خوش اسلوبی سے نبایا ہے تمثیل ۔ تشبیہہ ۔ استعارہ کو اپنی صنعت میں نئی ترکیب دیکر ایسی دستکاری اور میناکاری کی ہے کہ بعض بعض مقام پر ہمعصروں کو کیا ۔ شعرائے متقدمین سے بھی میلوں اونچی اوڑ گئی ہے ؛

شوکت الفاظ زبان حال سے چلا چلاکر بتلا رہی ہے کہ اگر قصیدہ مدحیہ لکھتی تو لاجواب لکھتی مگر اس طرف توجہ ہی نہیں ہوئی البتہ نعتیہ قصائد لکھے ہیں سو انکا طرز یہ ہے ۔

ہوتا ہے ٭

ایران میں اسکا دیوان خوب مقبول ہوا ہے وہاں کے قدر شناسوں نے اسکو قبولیت کی الماری میں بڑی خوشی سے جگہ دی ہے کیونکہ زبان نہایت ہی سادہ اور طرز بیان دلکش اور دلفریب ہے اور زمانہ کے مذاق کے ساتھ مناسبت رکھتی ہے اسکا کلام ہندوستان میں بھی نہایت عظمت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور اسکی عظمت اور بزرگی زیادہ تر اس بات سے مفہوم ہوتی ہے کہ یہاں والوں نے اسکے بہت سے مضامین کو رد و بدل کر کے اردو کا لباس پہنا کر فخر کیا ہے۔ چنانچہ زیب النسا کا شعر ہے

بس کہ مردم با دل پر داغ دارم لالہ روید از زمیں ٭ بعد مردن گر مرا مدفون بہ زیر گل کنند

اس مضمون کو اردو زبان کے شاعر نے یوں لیا ہے۔

پھول نرگس کے اُگیں گے قبر پر ٭ مر گیا ہوں انتظار یار میں

دوسرا شعر ہے۔

بزیر خاک بہ لعلم چہ حاجت کفن است ٭ شہید تیغ محبت ز خون کفن دارد

اسی مضمون کو یوں لیا ہے۔

نہیں غسل میت کی حاجت ہو کیونکر ٭ ہم اپنے ہی خوں میں نہائے ہوئے ہیں

ایک اور شعر ہے۔

حق مجنوں است گر کوی لیلی میکند ٭ عشق چوں غالب شود مسکن بیاباں میشود

ترجمہ مضمون

ہم تو سمجھے یار کی دیوار سے گے تھے ٭ مجنوں کو تھا جنون جو بیاباں میں رہ گیا

ایک اور شعر

در دلم خونیم نہاں رنگے تا رکنم ٭ رنگ من در سخن نہاں چو رنگ سرخ اندر حنا ست

ترجمہ

ظاہر میں میرے حال کو سب نے نہ جانا لیکن   باطن میں پڑا جوش ہے ول بلند جنانکہ

عرب اور عجم کے شعراء کے کلام نے زیادہ تر عشق اور حسن کے ولولے کے کمال کے باعث سے فروغ پایا ہے اسکی وجہ یوں بیان کرتے ہیں کہ عجم کے لوگ گل و بلبل کے مضامین کی بہ نسبت نیچرل مضامین کی زیادہ قدر کرتے تھے اور جب شعرا نے جنکو عام کی جانب سے واہ واہ حاصل کرنا مد نظر ہوتا تھا۔ لوگوں کی طبیعت کو اس طرف گرویدہ دیکھا تو شہرت حاصل کرنیکے واسطے اسی طرف زور طبیعت لگانا شروع کردیا اور نازک سے نازک باریکیاں نکالیں ۔

چونکہ ہندوستان شاعری کے فن میں ایران کا مقلد ہے اسلئے زیب النسا بیگم کو بھی تقلید کرنی پڑی اور ایرانی ہی طرز کو اختیار کیا تاہم سارے دیوان میں ایک بھی ایسی غزل نہ ہوگی جس میں اسنے کمال آزادی اور حق گوئی سے پند و نصیحت اور پند سے ممنون نہ کیا ہو۔

بلکہ اس کا سارا دیوان ہی معرفت اور موعظت کا دریا ہے اس مقام پر اسکے چند اشعار نقل کیے جاتے ہیں جنسے بخوبی تصدیق ہوسکتی ہے چنانچہ کہتی ہے۔

(۱) زمانہ کی شکایت بیجا ہے۔

زبان حوصلہ یارا ببریدہ آنکس را   کہ پیش غیر شکایت روزگار کند

(۲) وقت کو غنیمت سمجھو۔

فرصت شمر غنیمت دریاب فیض عمر   کاچمن بزم بلبل و بلبل بخواب گیر

(۳) تکالیف اٹھائے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

بے نیش الم لذت از نوش نیابی   بر بستر غم پایہ مقصود بسر گیر

(۴) عشق برا ہے۔

ہر کرا در سر فتاد اندیشہ سودائے عشق   نیست آنرا جز بآموختن بلا فنا

(۵) روٹی کے پیچھے قدر گنوانا عقلمندی نہیں۔

خواہی کہ آبروے نہ ریزی بزیر خاک
بر سفرۂ زمانہ و دوناں چو مگس مباش

(۶) بیجا خاموشی بھی دلیل نادانی ہے۔

بکشا زباں بہ گفت غلو و ہوائے نفس
چوں مرغ نکتہ سنج اسیر قفس مباش

(۷) سفر آخرت کیلئے ہمیشہ تیار رہو

زد طبل رحیل سفرت قافلہ عمر
مخفی منشیں غافل و در فکر سفر باش

(۸) ایضاً

عمر شد در پئے ہوائے وقت رفتن در رسید
پیروی تا چند مخفی نفس کافر کیش را

(۹) غیر کی مصیبت میں ساتھ دو اور اسکی دلجوئی کرو۔

ہر کجا بزم مصیبت گرم گردد در جہاں
در تکلم بلبل و در سوختن پروانہ باش

(۱۰) غیر مجلس میں جاؤ تو سلیقہ برتو۔

رو بزم ادب راہ چو یابی بادب باش
بکشا لب گفتار خود و گوش بلب باش

(۱۱) مصیبت کیوقت گھبرانا نہیں چاہیئے۔

نالد بہنگام محنت عافیت دوں ہمتست
نیست یکساں کار عالم مخفیا مردانہ باش

(۱۲) بدنام ہوکر پھر نیکنام بننا بہت ہی مشکل ہے۔

آلودگی ز دامن عصمت نمی رود
صد رہ بآب دیدہ اگر شستشو کنم

(۱۳) گناہوں سے توبہ کرو اتوبہ

ہر کہ بدرگاہ غفور روئے خجالت نہاد
سر بفلک میکشد رفعت ایوان او

(۱۴) دولت دین عزت سے حاصل ہوتی ہے۔

دولتے خواہی کہ باشد پایدار و برقرار
نیست ایں دولت بجز [illegible]

(۱۵) ہمت نہ ہارو۔

ـ [illegible] ایک شعر مخفی صاحب کا بھی اسی مضمون پر ہے

منکہ صد حاتم طے در نعیم مثل گداست — حیف باشد گر گدا طبع و گدا دل باشم

(۱۶) موت سے مت ڈرو کیونکہ یہ اٹل ہے۔

بزہر راہ اجل نشستہ ہم مرگ چیست — خلق و عالم رفتہ اند این راہ من ہم

(۱۷) یار شاطر بنو نہ بار خاطر

بر طبع اہل مجلس مخفی گران نباشد — پروانہ جاں فشاند گرچہ چراغ باشم

(۱۸) مال و دولت پر نازاں نہ ہو

زین نخبہ دولت منازیہ شکر — گرد آوردے خیال غنی گردد

(۱۹) اللہ کے آگے رونا آنکھوں کا زیان ہے۔

پیش لا یعقل ز دانش دم زدن دیوانگیست — گفتگوئے عقل را با مردم نادان مپسند

(۲۰) عالم بے عمل اور جاہل یکساں ہیں

میان عالم و جاہل برابر از موئے — تفاوتے نبود تا کہ علم بے عمل است

(۲۱) محنت سے سب کچھ حاصل ہو سکتا ہے۔

گوہر بچشم تربیت بیند فروغ آفتاب — ہر کجا سنگے بود لعل بدخشاں می شود

(۲۲) ہر چہ باشی باش لیکن اللہ کے نزدیک رہ باش۔

بکار کسے نمے آید ہنر مخفی ہمیں عالم — خر عیسی ہنرمند است اگر در کیسہ زر دارد

اب ہم اس کے دیوان کی عاقی خوبیوں پر نظر ڈالتے ہیں اور ان مقولوں اور اشعار کو نقل کرتے ہیں جو زیب النسا کی تصانیف سے ہیں اور آجکل تقریر و تحریر دونوں میں مستعمل ہیں۔ مگر یہ ملحوظ خاطر رہے کہ ہمیشہ وہ اقوال ضرب المثل بننے کے قابل ہوتے ہیں جن کا مضمون عام لوگوں کے حسب حال ہو اور الفاظ سیدھے سادے ہوں اور طرز بیان میں لطافت پائی جائے سو یہ خاصیت زیب النساء بیگم کے کلام میں موجود ہے اور اسکے شعر بھی ضرب المثل ہونے کی قابلیت ہے مثلاً۔

(۱) رام هر کس که بگیرد در بیابان وحش و طیر
دست اعجاز محبت گردن آهو گرفت

(۲) آرے آرے در طریق خوبرویاں داد نیست

(۳) نشتر الماس را با دیده سودن مشکل است

(۴) گر آفتاب بود شمع روشنائی است

(۵) مفلس همیشه منتظر خوان حاتم است

(۶) نومید نباید شدن از گردش ایام
هر شام که آید ز پئے آن سحرے هست

(۷) بسته به آں لب که از گفت و شنو خاموش نیست

(۸) زبان بشکوه کشودن ز غیر بخرد نیست
مرا که دشمن جانی همیں زبان بس است

(۹) نو عروس دهر را دیدار داما دے بس است

(۱۰) بهر کجا که روم یار همزبان من است

(۱۱) سر لشت کتابے که بود حرف تو اریخ
مضمون حروفش همه اجزاء کتاب است

(۱۲) نومید نباید شدن از گردش ایام
شامے بجهاں نیست که او را سحرے نیست

(۱۳) در محبت اعتبار خسرو و فرهاد نیست

(۱۴) کف همت بلنداں بے درم نیست

(۱۵) نه هر سر تاج و تخت و سروری یافت
نه هر اسکندرے پیغمبری یافت

نه در هر چشمه آب حیات است
نه هر آئینه اسکندری یافت
(۱۶) نه هر خضری درین ره رهبری یافت
(۱۷) طالب دیدار را دعوی ایمن گشتن است
(۱۸) قطره قطره رفته رفته موج دریا میشود
(۱۹) عاشقان را مسکن و ماوا بیابان است و بس
(۲۰) نه بهر وفای تو بستن توان دل امید
نه جفای تو قطع نظر توان کردن
نه راز عشق تو بتوان نهفتن اندر دل
نه غیر خویش کسی را خبر توان کردن
(۲۱) هم دین و هم دل برده هم قصد جانها کرده
تو بر تماشای خود این فتنه برپا کرده
(۲۲) من ز دل تنگ دل ز من سنگ است
صحبت ما چو شیشه سنگ است
مخفیا کے رسی بکوچه دوست
راه تاریک مرکبت لنگ است

ہم زیب النسا کے کلام کا شعراء قدیم کے کلام سے موازنہ کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ اسکا کلام ان کے کلام کے آگے کیا رتبہ رکھتا ہے۔

حافظ صاحب رحمتہ اللہ علیہ

دل مے رود ز دستم صاحبدلان خدا را
دردا کہ راز پنہان خواہد شد آشکارا

ده روزه مهر گردون افسانہ است و افسون
نیکی بجائے یاران فرصت شمار یارا

کشتی شکستگانیم اے باد شرطہ برخیز
باشد کہ باز بینم آن یار آشنا را

در حلقۂ گل و مل خوش خواند دوش بلبل
ہات الصبوح ہبوا یا ایہا السکارا

اے صاحب کرامت شکرانۂ سلامت
روزے تفقدے کن درویش بینوا را

آسایش دو گیتی تفسیر این دو حرف است
با دوستان تلطف با دشمنان مدارا

در کوے نیکنامی ما را گذر ندادند
گر تو نمی پسندی تغییر کن قضا را

آئینۂ سکندر جام جم است بنگر
تا بر تو عرضہ دارد احوال ملک دارا

سرکش مشو کہ چون شمع از غیرتت بسوزد
دلبر کہ در کف او موم است سنگ خارا

گر مطرب حریفان این پارسی بخواند
در رقص و حالت آرد پیران پارسا را

آن تلخ وش کہ صوفی ام الخبائثش خواند
اشہی لنا و احلی من قبلۃ العذارا

ہنگام تنگدستی در عیش کوش و مستی
کین کیمیاے ہستی قارون کند گدا را

خوبان پارسی گو بخشندگان عمر اند
ساقی بده بشارت پیران پارسا را

حافظ بخود نپوشید این خرقۂ مے آلود
اے شیخ پاک دامن معذور دار ما را

زیب النساء بیگم

غم میکند فزونی اے دوستان خدا را
شاید نہفتہ ماند این راز آشکارا

ما را چو موم بگداخت این آتش محبت
تا چند باشدت دل در سینہ سنگ خارا

مردیم گردش چرخ رحمے نکرد بر ما
تا کے توان بد شمن صاحب دلان خدا را

سستی و تنگدستی بد نام خلق سازد
با طرز شہ چہ نسبت درویش بینوا را

شتی عمر بشکست مہجور ناامیدی
مشکل کہ باز بینم دیدار آشنا را

حاصل نشد چو گاہے کامے ز تیر تدبیر — تدبیر را گذارم گردن نہم قضا را

بگذشت موسم گل شد نالہائے بلبل — تا کے شراب مستی یا ایہا السکارا

برباد رفت در غم یاراں ذخیرۂ عمر — باشد کہ گردش چرخ فرصت دہد شمارا

اے خسرو زمانہ بکشاؤ چشم تنگ — ورنامۂ سکندر احوال ملک دارا

یاران بزم عشرت مخفی وکوی محنت — با عافیت چہ کار است درویش بینوا را

حافظ رحمۃ اللہ علیہ

خوشتر ز عیش وصحبت باغ بہار چیست — ساقی کجاست گو سبب انتظار چیست

معنے آب زندگی روضۂ ارم — جز طرف جوئبار وے خوشگوار چیست

ہر وقت خوش کہ دست دہد مغتنم شمار — کس را وقوف نیست کہ انجام کار چیست

پیوند عمر بستہ بموئیست ہوشدار — غمخوار خویش باش غم روزگار چیست

راز درون پردہ ز رنداں مست پرس — اے مدعی نزاع تو با پردہ دار چیست

مستور ومست ہر دو چو از یک قبیلہ اند — ما دل بعشوۂ کہ دہیم اختیار چیست

سہو وخطائے بندہ گرش نیست اعتبار — معنے عفو ورحمت پروردگار چیست

زاہد شراب کوثر وحافظ پیالہ خواست — تا درمیان خواستۂ کردگار چیست۔

زیب النساء بیگم

بالہا ز بہار آب رواں ایں خمار چیست — دلبر بکام وبادہ بکف انتظار چیست

فرصت شمر غنیمت وداد نشاط دہ — حیران ایں خیال ز انجام کار چیست

ممکن چو نیست دیدن آئینۂ مراد — چندیں شکایت از ستم روزگار چیست

بہرہ دو روزہ عمر گرامی مدہ بباد — اندیشہ ہائے باطل ایں کار بار چیست

گر خون دل ز دیدہ تراوش نداشتی	سیلاب خوں ز دیدہ مرا در کنار چیست
اے دل اگر بدیدہ محبت زبوں نئی	چوں بیدلاں بدرد ولت نالہ زار چیست
مخفی بقدر طاعت ما گر عطا کنند	در روز حشر رحمت پروردگار چیست

گو ایک ایک دو دو غزلوں کے مقابلہ کرنے سے مساوات اور برابری کا حکم لگایا نہیں جا سکتا تاہم جب ایک عورت کے کلام کا اور عورت بھی وہ جسنے ہندوستان میں ہی نشو ونما پائی ہو اور جو کچھ سیکھا اسی جگہ سیکھا مرد کے کلام سے موازنہ کرتے ہیں۔ تو اسے ہر طرح کی رعایت کا مستحق سمجھتے ہیں لیکن یہاں پر ہم کسی کی طرفداری نہیں کرینگے اور جو کچھ رائے دینگے وہ بلا طرفداری ہوگی۔ ناظرین کو معلوم ہے کہ حضرت حافظ صاحب رحمت اللہ علیہ کا کلام کس درجہ کا ہے اور انہوں نے کتنا کچھ پایہ حاصل کیا ہے اور خصوصاً سارے دیوان میں سے حافظ صاحب کی "دل میرود ز دستم الخ" اور "غم میکند فزونی الخ" کا مقابلہ کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں صورتیں ایک شکل کی ہیں اور دونوں کی ایک ہی ترازو ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ایک مطلب کو دونوں نے جدا جدا ادا کیا ہے۔ حافظ صاحب رحمت اللہ علیہ کا مصرع

دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا

جس لطافت اور خوش اسلوبی کے ساتھ متکلم کی حسرت کا فوٹو کھینچ سکتا ہے اس سے بہتر کوئی اسلوب سمجھ میں نہیں آ سکتا تھا مگر زیب النساء بیگم کا شعر

غم میکند فزونی ای دوستاں خدا را   شاید نہفتہ ماند ایں راز آشکارا

بھی حسن بیان اور بلاغت میں قریباً ویسا ہی اعلے درجہ کا ہے جیسا حافظ رحمۃ اللہ صاحب کا۔ حافظ صاحب تاسف فرماتے ہیں کہ راز نہاں آشکارا ہوا چاہتا ہے اے دوستو خدا کے واسطے مدد کرو جس سے استدعا اور مدد کی درخواست ظاہر

ہوتا ہے کہ زیب النساء کے شعر میں ایک خوبی اور بھی زیادہ ہے اس میں علاوہ درخواست کے نتیجہ سے بھی اطلاع دیدی ہے کیونکہ کہتی ہے کہ اگر کوشش کرو تو شاید راز نہفتہ ہی رہے :-

اس سے کسی پر حرف گیری کرنا میرا مقصد نہیں - اور نہ زیب النساء بیگم کے کلام کو حافظ کے کلام پر ترجیح دینا - دیوان حافظ ایک ایسی کتاب ہے جسے لسان الغیب کہا جاتا ہے اور مقبول جہاں ہے - شستگی زبان کے لئے اسے مستند اور معتبر مانا جاتا ہے تاہم موازنہ کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ مخفی کا کلام بھی مقابلہ میں کمتر نہیں ہے اور اسکو بھی زبان کی حیثیت سے وہی رتبہ دیا جاتا ہے جو مقدم الذکر کو + دوسری غزل جس کا مطلع

خوشتر ز عیش صحبت باغ و بہار چیست ساقی کجاست گو سبب انتظار چیست

ہے - واقعی لطافت مضامین کے باعث لاجواب ہے جس کے پڑھنے سے ظاہر ہو رہا ہے کہ باغ ہے - بہار ہے - شیرۂ شیراز موجود ہے - اور ایک ایرانی کسی کے انتظار میں بے قرار ہے - آنکھیں دروازہ پر لگی ہوئی ہیں - مگر اب بیقراری حد سے گذر گئی ہے اور کسی کو کہہ رہا ہے کہ - ع

ساقی کجاست گو سبب انتظار چیست

واقعی ایک حسرت زدہ اور مضطرب کے ارمانوں کا فوٹو ایسا ہی ہوتا ہے لیکن جب ہم زیب النساء کے مطلع کو دیکھتے ہیں تو اس میں ایک اور لطف حاصل ہوتا ہے وہ کہتی ہے باغ بھی ہے - بہار بھی ہے ساقی بھی ہے - پیالہ ہاتھ میں لئے سوئے ہے اب کس کا انتظار ہے جلدی ہو -

گو کہی ہوئی غزل پر کہنا آسان ہے پھر بھی جو لطافت یہ پیدا کر جاتی ہے ترپا دیتی ہے :-

مرزا محمد علی صاحب المتخلص بہ صائب ہمعصر تھے اور عموماً زیب النسا کی غزل پر غزل کہتے تھے ان کی دو غزلیں بھی لکھی جاتی ہیں اور انصاف پر کلام کا اندازہ ہو سکتا ہے:۔

مرزا محمد علی صاحب

در حریم پاکبازی بوریا یار نیست — فقر را با نقش بندان تعلق کار نیست

عشق عالم سوز را با کفر و ایمان کار نیست — گردن ما در کمند سبحہ و زنار نیست

کاسۂ منصور خالی بود پر آوازہ شد — ورنہ در میخانۂ وحدت کسی ہشیار نیست

ما سبکروحاں مدارا با رفیقاں میکنم — ورنہ بوے پیرہن را کارواں در کار نیست

بیقراراں بے نیاز از کعبہ و بتخانہ اند — ریگ را در قطع راہ ہرگز منزل کار نیست

در پس دیوار محرومی گریباں میدرم — گرچہ محرم تر ز من کس در حریم یار نیست

ہر کہ بیرون شد ز بدنامی درید آسودہ شد — بر زلیخا طعن ارباب ملامت عار نیست

سر نیامد سر با مژگانِ خواب آلود او — ہیچ جوہر مانع ایں تیغ لنگر وار نیست

ہر رگ جانہا نہ پیچد تا پریشاں نیست زلف — نبض دلہا را نگیرد چشم تا بیمار نیست

توبۂ ہم صحبتاں در خاطر ما بار نیست — راہ امن بیخودی را کارواں در کار نیست

کہ نتواند ز دیوار جذب کاہ کرد — جذبۂ توفیق را با تن پرستاں کار نیست

طوطی از آئینہ میگویند مے آید بحرف — چوں مرا در پیش رو لیکن زہرۂ گفتار نیست

میزند بر قطرہ باراں چشمکے بر ساقیاں — کیں چنیں روز جز بہ پیمانہ بسرشار نیست

میتواں بر سینہ بے کینۂ من روی دید — خانہ آئینہ ام در بستۂ زنگار نیست

پیش ما صائب کہ رطل خسروانی میزنیم — گنج باد آور بغیر از آب گوہر بار نیست

نواب زیب النسا بیگم

بت پرستانیم با اسلام ما را کار نیست
غیر تار زلف ما را رشتهٔ زنار نیست

پیش ازیں اے عقل بر من طعن تیر آزار
زانکه مستانِ محبت را ملامت عار نیست

موسئی باید که پائے دل نهد بر دار عشق
بوالهوس بنشیں که راهِ کوچه و بازار نیست

همدمی گر نیست اے دل روز محنت گو مباش
مونس زندانیاں را بهتر از دیوار نیست

آشنایاں را چه پیش آمد مروت را چه شد
گر وفائی آشنائی در جهاں آثار نیست

لذت درد محبت را نبیند واں حریف
قدر نعمت را نداند هر که او بیمار نیست

صبحدم باد صبا مے گفت با مرغ چمن
ناله را تاثیر نبود گر دل افگار .... نیست

زادهٔ دردیم و از خون جگر پرورده ایم
کوه تا سے غم اگر آید جوے آزار نیست

مخفیا گر وصل خواهی با غم هجراں بساز
کاندریں گلزار عالم یک گل بیخار نیست

میرزا محمد علی صاحب

نیست آساں خوان نعمت ہائے الواں ریختن
برگریزانِ مکافات است دنداں ریختن

سالها گل در گریباں تنگی چوں نوبهار
قطرۂ هم اشک میباید بداماں ریختن

تلخی منت حلاوت میبرد از مغز جاں
آبرو نتواں برائے آب حیواں ریختن

میتواند بلبلِ ما از غبار بال و پر
در گریبانِ خزاں رنگ گلستاں ریختن

آں قدر موج حلاوت از دهان او کر مور
میتواند قندها از شیرهٔ جاں ریختن

نقدِ جاں صائب چرا از تیغ او دارم دریغ
از مروت نیست آبروی مهماں ریختن

زیب النساء بیگم صاحبہ

کار مستوقاں نمک بر زخم پنہاں ریختن	کار عاشق خونِ خود در پائے جاناں ریختن
نیست آں پنجہ بر زلف پری رویاں زدن	خون دل از دیدہ میباید بداماں ریختن
گر نہادم داغ عشقت بر جگر معذور دار	باغباں را میرسد گل ور گریبان ریختن
[illegible]	[illegible] ریختن

ملا عبدالغنی صاحب بھی ہمعصر تھے - اُن کی اور زیب النسا بیگم کی ایک ایک غزل لکھی جاتی ہے جس سے دونوں کے زورِ کلام کا اندازہ ہو سکتا ہے :-

ملا محمد طاہر صاحب غنی

از نمازم نیست مطلب غیر جستجوئے دوست	میروم از اشتیاق افتاں و خیزاں سوئے دوست
ماہ نو نتواند از روئے خجالت شد سپید	چوں سیاہی میکند از گوشہ ابروئے دوست
تو تیائے چشم مہ جز نور خورشید نیست	با ہنور دوست و نیم حسن روئے دوست
چہرۂ خود گرچہ ماہ از چشمۂ خورشید شست	گرد خجلت بر رخش ہست از صفائی روئے دوست
یک نفس بنشین غنی غافل ز دانشگہش	تا نگردی خاک ہرگز بر مخیز از کوئے دوست

زیب النساء بیگم صاحبہ مخفی

رہ چہ خوش باشد کہ بینم بار دیگر روئے دوست	در سجود آیم بہ محراب خم ابروئے دوست

هر نفس از رشته کارم کشاید صد گره | پنجه گر بیچره زنم چون شانه گیسوی دوست
غنچه دل بشگفد در سینه چون گل در چمن | دیدهٔ دل را کند روشن نسیم بوی دوست
دیدهٔ یعقوب گر روشن شود نبود عجب | مژدهٔ وصلے گر آرد قاصد از کوی دوست
باده را لبریز کن ساقی و صحبت بر شکن | تا لکانے دل نشینم ساعتے پہلوی دوست
جوئے خون آرد بجائے شیر مخفی کوهکن | بشنود از بیستون گر شمه از بوی دوست

عاقل صاحب

عاقل کا کلام بھی اچھا ہے۔ مگر افسوس زمانے نے قدر نہ کی اور اس مرحوم کا کلام نہ چھپا اور نہ کسی نے سنبھال کر ہی رکھا۔ گو اس کا ذاتی کمال تعریف اور شہرت سے بے نیاز رہے مگر چند روز کے بعد سوا افسوس کے اور کچھ ہاتھ نہ آئیگا آج ہی یہ نوبت ہے کہ دو غزلیں بھی مکمل ہاتھ نہ لگ سکیں جو اس کتاب میں درج کی جائیں ہاں ایک شعر ملا ہے۔ جو تبرکاً ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے ایک مرتبہ زیب النسا نے لکھا تھا۔

گرچه من لیلی اساسم دل چو مجنوں در ہوست | سر بصحرا میزنم لیکن حیا زنجیر پاست

اس کے جواب میں عاقل نے لکھا

عشق نا خام است باشد بسته ناموس و ننگ | پخته مغزان جنوں را کے حیا زنجیر پاست

جواب الجواب

پاکبازان محبت را حیا باشد مدام | چوں لو مرغ بے حیا را کے حیا زنجیر پاست

زیب النساء بیگم نثر بھی بہت فصیح لکھتی تھی۔ ایک رقعہ کی نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے جس سے انکی لیاقت کا کافی طور پر اندازہ ہو سکتا ہے۔ یہ رقعہ اس کے مرشد کے نام ہے اور خاص اس کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے یہ رقعہ مفتی عصمت اللہ صاحب کے کتب خانہ میں موجود تھا اب وہ کہنے

۱۸۷۰۵

ہیں کہ تھوڑا عرصہ ہوا۔ میر بخشش علی صاحب انسپکٹر ریلوے کو بطور تحفہ دیا گیا ہے ٭

خط ہذا

نقطہ پرکارتدو یروجودہفتم ۔ خط محیط صفحہ فلک ہشتم
حضرت پیر من ظلکم ابدا رہ ۔ مردان خدا وردو رسیدہ
زیب النساء فرمانے کہ وارد پا پانے ندارد اگر از تجرید
خود وم تخرید زنم رواست ۔ من کہ بصورت گرفتار
نہ بمعنے خبردار ۔ بالب و مساز ہمچو نے گفتنہا گفتمے ؎

آنکہ زراز ہمزبانی شد جدا بے نوا شد گرچہ دارد صد نوا

حررہ زیب النساء

قطعات و رباعیات

زیب النساء بیگم کی رباعیات میں کوئی خصوصیت نہیں جس کا ذکر کیا جاوے۔ سب میں حسن اور عشق یا پند و نصائح کا مضمون ہے ذیل میں چند قطعات اور رباعیات جو سرسری نظر میں اچھی معلوم ہوئیں نقل کی جاتی ہیں ٭

رباعی

اے آب بشار لوحہ گر از بہر کیستی	چین بر جبین فگندہ ز ہم از بہر کیستی
در روت چہ درد بود کہ چو من تمام شب	سر را بسنگ میزدی و مے گریستی

رباعی

واے بر شاعران نادیدہ — خاطر خود بخود پسندیدہ
سرو را قد یار مے گویند — سرو چوبے است ناتراشیدہ

رباعی

خانۂ بتخانہ داشت ابراہیم — او و ابلیس را بگرد دل راہ
بعنایت نگر کہ آخر کار — ایں لعین گشت و آں خلیل اللہ

رباعی

ساقی بدوان مے کہ نشاط انگیزد — از جوش و خروش او خرد بگریزد
یک قطرہ چو محتسب بریزد ساقی — خواہد کہ بحکم شرع خونش ریزد

رباعی

بشیرینی وقت غنچہ را گفتار بایستی — با مثالبال قدت سرو را رفتار بایستی
چنیں دردیکہ من دارم طبیبم یار بایستی — بجاے شربت قندم لب دلدار بایستی

فرد

بہر دم آزردگی غیر سبب را چہ علاج — مانند تسلیم بہ لطف تو غضب را چہ علاج

فرض کردم که بیاد تو دلم خورسند م   لیکن این دیدهٔ دیدار طلب را چه علاج

آنچه بر دل گذرد از غم هجر تو مرا   یک بیک شرح دهم لیک ادب را چه علاج

میتوان عشق نهان داشت نمردم لیکن   زردئی رنگ رخ و خشکی لب را چه علاج

رباعی

هرچه فوارهٔ سیماب بجوش است امشب   وقت میخواستن و رخصت هوش است امشب

نامه از جانب فرهاد لب شیرین ببرید   که برای تو هوا شیر فروش است امشب

قطعه

هردم ز دور لعل تو دیدن چه فائده   دیدن نبات زهر چشیدن چه فائده

خوب آن بود که بر رخ خویش نظر کنی   ورنه ز غیر وصف شنیدن چه فائده

مخفی ز دست یار چرا جامه میدری   جان پاره ساز جامه دریدن چه فائده

رباعی

نه جگرم خون نه سینه چاک شدیم   سوختیم آن قدر که خاک شدیم

جانفشانی نه بود بیه د شوا ر   مژه بر هم نزدیم پاک شدیم

دیوان مخفی

اے ز ابر رحمت خرم گل بستان ما
گفتگوے حرف عشقت مطلع دیوان ما

مو بمو سے ما انا الحق گو ز شوق دار بلند
تشنۂ خونِ محبت شد بہ پنہان ما

العطش گویاں بکشتے رضا ہر گوشۂ
صد ہزاراں نوح غرق موجۂ طوفان ما

گو قبول افتد نہ ماو رزندگی یک جو نیاز
چون سلیماں سر نہ پیچد دیو از فرمان ما

قطرۂ اشکے نیابد رہ بروے باد اگر
خونِ دل چون شد گہر بہر سر مژگان ما

در شکیبائی چو نے ایدل بہ آہ و نالہ ساز
نیست جو ویراں پدیدار این درد بیدرمان ما

گر ز ظلمات ہوس بیروں نہم مخفی قدم
رہ نیابد خضر سوے چشمۂ حیوان ما

خواہم کشم بدیدۂ آں خاک آستاں را
یا بوسہ زلب دہ آں پاے پاسباں را

پوشیدہ جذبۂ عشق در من تب محبت
سلطاں لباس فاخرہ بخشد ملازماں را

تا کے بزعم دشمن در امتحاں عتابم
بشناس بہتر کہ زیں یارانِ جانفشاں را

آخر دہد بطوفاں بنیاد خانۂ خویش
مرغ نظر چو بیند بر آب آشیاں را

مفروش دیدہ ارزاں گوہر بخاطر دل
یاراں روا ندارند بر دوستاں زیاں را

بر حال زار بلبل رحمے کرشمہ کن گل
شاہاں کشیدہ بہر گدا عناں را

دادت خدا اے مخفی دُرِّ سخن بہ مخفی
زیں گونہ نیست دُرّے در سینہ بحر و کاں را

گرچہ من لیلی اساسم دل چو مجنوں دیوانہ ست
سر صحرا میزنم لیکن حیا زنجیر پاست

بلبل از شاگردیم شد ہمنشین گل بباغ
در محبت کامل پروانہ ہم شاگرد ماست

در نہاں ہمچو نسیم ظاہر گرچہ رنگ ناز کم
رنگ معنی در من پنہاں چو رنگ سرخ اندر حناست

بسکہ یار غم برون انداختم بر روزگار
جامہ نیلی کرد اینک ہمیں گردیت او دود ماست

دختر شاهم ولیکن رو بفقر آورده ام
زیب و زینت بس همینم نام من زیب النساست

هر که باشد ملامت همچو مجنون خو گرفت
پیش ارباب نظر چون گوهر آب رو گرفت

... عکس نگاه ... بیابان وحشی و طیر
دست مجاز همت گردن آهو گرفت

بهر بزم مهر او صد خضر آید بی سر ...
لیک الفت چشم گریان با سر زانو گرفت

پادشاه حسن ... شد اسیر قید زلف
تیره روی آفتاب را مدام مو گرفت

آرزو دست سایه ... کند ... شهر ...
مرغ دل ما آشیان سنبل گیسو گرفت

عاقبت از بیوفائی های چرخ کج خرام
مخفی بیچاره رفت و از جهان یکسو گرفت

ای که از زلف سیه بر رخ نقاب انداختی
آتش در سینه جانها کباب انداختی

بی قرار موج سیماب رفت ورنه
عکس رخسارت نگر به ... آب انداختی

از نگاهت آب می خواست ...
جوش نگاهی دل ربای از شراب انداختی

تا چراغ گل ز عکس شمع رخ افروختی
بلبل و پروانه را در اضطراب انداختی

چند دل ویران من تخم محبت کاشتی
چشم معموری بدین ملک خراب انداختی

راه خواهم زد خیالت در لباس شب روی
از خیال صد خلل در کار خواب انداختی

پیش رخسار تو خورشید عالم گیر ...
سایه نامش هما بر آفتاب انداختی

معصیت ... ز غفلت خرمن ...
در ختام عاقبت بهر ثواب انداختی

گشت مخفی عاقبت ... سر ترک زهدها
کشتی امید ... موج آب انداختی

قصیده در بیان تصوف و حال عشق انگیز

ز مستی گر برون آئی مراد جسم و جان بینی
ز همان گرد ور ریش صد داغ دلداری هما بینی

مرا از موشگافیهات ای دل حیف می آید
که مس را کیمیا دانی سخن را ارمغان بینی

زر ناقص عیارت را درین بازار فروشی
که زر را با محک و دست بر روی امتحان بینی

چو مردان بر سر مردان ناکامی تحمل کن
که تقدیر الهی را چو جور آسمان بینی

چه کام دل شود حاصل عشق غافل ز ناکامی
ز روز غم بیاد آور چو خود را شادمان بینی

زبان در کام همت کش و پا حسرت در دامن
که فتح ملک دل در جوهر تیغ زبان بینی

خجالت روشنی در دیدهٔ بینائی دل گیرد
سر موئے ز خودبینی خود گرد بتان بینی

ترا گر صد جگر باشد ز خود بند جگر خوارست
محالست اینکه میخواهی ازان کافر امان بینی

برائے خاطر این نفس کافر هیچ پروا نه
بر آتش میزنی خود را در آتش گلستان بینی

چنان مشتاق عصیانی که تا سر حد نومیدت
گریزی از سعادت گر سعادت را زیان بینی

تو گردون همتے در اوج همت بال نکشائی
همای اوج راحت را کجا در آشیان بینی

بخون آلودهٔ دامان عصمت را میخواهی
بایں آلودگی از آتش دوزخ امان بینی

ز غفلت رو بگریه دانی زپاسے لذت طاقت
سر اخلاص خود را زیر دست آشیان بینی

بدار روئے پشیمانی علاج چشم کج بین کن
که شاید بے حجاب دست روئے آستان بینی

ز حال خود مشو غافل که مردان سر میدان
بقا را در بهارت یابی فنا را ترک جان بینی

ز دانش گر نشان داری ملن افشای راز دل
که چون منصور سر را بر سر دار زبان بینی

بزندان خانه تن لے بهر صحبت بهران کانجا
قضائے قبلهٔ محنت بار از باغ جنان بینی

بعزم نیستی یکدم اگر ز هستی برون آئی
دلت را در طواف کعبه روحانیان بینی

برون آئی اگر از خود چو نور چشم نابینا
سرائے تخته هستی مکان و لامکان بینی

خرابی جهان چون فنا از آتش نفس است
ازین آتش جهان اندر جهان پنهان بینی

وجودم را عدم دانی ... خطا کردی
وجود پشه را کمتر از فیل دمان بینی

برون کن پنبه از گوش و بگوش دل سخن بشنو — بہر مجلس ز واعظ انتقامش در بیاں بینی
غزل گفتی و در سفتی ولے با من بگو تا کے — طلوع عمر را سر فرزندان قر فصداں مبیلی
هوائے وصل تو دانند دانم دوستان تو... — تو روسے دشمنانت را بزعم دوستاں بینی
دلم دیوانه میگردد چو می بینم ترا غمگیں — چه خواهد شد ترا گر جانب ایں مہرباں بینی
تو نی سلطان بیداد و منم مظلوم سرگرداں — تو خورشید جہاں باشی مرا خفاش جاں بینی
غرض اینست چشم را ز خوناب جگر خوردن — که در هر قطرهٔ اشکے بہار ارغواں بینی
دریں شیون مزن هرگز تو از خونریزی گردوں — بچشم امتحاں گر سوی گلزار جہاں بینی
خرد را خاک بر سر کن که رسوای جنوں گردد — جنوں را تاج بر سر نه که کام دل از آں بینی
بدرد مفلسی خو کن مشو شرمنده همت — ملائک را اگر بر خوان حاتم میہماں بینی
هوائے راحت ار داری برون از دور عالم شو — محالست آنکه در عالم تو راحت گر چنیں بینی
بزعم دوست یا دشمن شگفته همچو گل بنشیں — غبارے خاطرے هرگز ز ابنائے زماں بینی
عبث سرگشته وادی شد آں مجنون بیچاره — طلبگار محبت را مکاں در لامکاں بینی
من از دل داغ میخواهم تو دل از داغ میخواهی — من آتش در دخاں بینم تو در آتش دخاں بینی
نه واقف تو از راز نهان عالم بالا — از آں ایں پرتو خورشید را در آسماں بینی
در و گوهر جسم خویشتن بر آید گر باشد — بچشم تربیت روزے اگر در سجده وکاں بینی
تو از ملک خراسانی باصفهان ار وطن داری — بخواب شب اگر در دو غم هندوستاں بینی
هواسے عافیت داری قدم در راه محنت نه — که هر خار کف پا را درفش کاویاں بینی
ز لوث دیده اے چشم طلب گر ناگر خواهی — رخ آئینه مقصود اسرار نہاں بینی
مرو در کشور ظلمت که بس امر محال است این — که حسن رومیاں را در نقاب زنگیاں بینی
نهاں در موجهٔ دریا ترا چوں بنده غواص این — تو میخواهی که بے ملاح خود را بر کراں بینی
بپرید از آشیاں زندگی طائر حسرت — تو چوں صیاد نابینا بزیر آشیاں بینی

ندارد طاقت دیدار حسن یار هر دیده / همان بهتر که این آئینه را در عکس آن بینی
ز همت گر به پرواز بالے کشائی در چمن بلبل / بهار صد گلستان را نهان در رنگ فغان بینی
برو آئینهٔ دل را به آب دیده صیقل کن / که احوال دو عالم را در آن یک یک عیان بینی
ز تیر غمزهٔ جادو بگردان گوشهٔ ابرو / که هرجا دوانی در خدنگ این کمان بینی
مکیدن چند چون طفلان سر پستان کلفت را / تو شیر عافیت در سینهٔ دوشیزگان بینی

مطلع ثانی

چه دیدی نفع در شادی که داغش بوستان بینی / چه نقصان دیدهٔ از غم که بستانش خزان بینی
چراغ دیده روشن کن درین بستان سرای دل / که خون چشم بلبل را بهار مهرگان بینی
جرس را بهر او گردان چو از ناله اثر یابی / شتر آهسته تر سیران که چون محمل گران بینی
به نفرت آشنا گردی بعیب خود شوی بینا / بچشم دل اگر در روزگار مردمان بینی
گشتے در دیدهٔ همت اگر داری بینائی / درون پردهٔ وحدت همه نقش جهان بینی
به بینی غیر رسوائی نه یابی حرف دانائی / اگر در صفحهٔ جزوی کتاب عالمان بینی
چو مجنون رو بوادی کن ز در دیگر آے نخفی / که با دلبر درین وادی عنایت همعنان بینی
برو از پردهٔ دانش بدر آ زر صورت بینش / که در هر گوشهٔ خلوت صد اسرار نهان بینی
اگر چشم تماشه را نقاب از چهره برداری / متاع دین و دنیا مهیا پیش ازان بینی
اگر دانی چه میگوید بتو در وقت گفتارش / زبانش را سراسر دل دل او را زبان بینی
لباس فقر پوشیدن ترا وقتے سزاوار آ / که دلق کهنه پوشان را نقاب راستان بینی
بروحیت گر دلش گردون در اندوه گشاید / اگر دانشوری باید که بهبود اندران بینی
مسرصرافئے داری بیا زار جهان باید / رواج این دکان را مختصر در نقد جان بینی

بساط مفلسی برچین و پر کن ساغر عشرت
بزور سعی پیدا کن درین هنگام ناکامی
ندیده لجه طوفان نخورده لطمه دریا
بیا از دیده عبرت تماشای گلستان کن
شب تاریک و بیم موج و آشوب برقوت
گذشت هنگام شب گیر و برآمد آفتاب
بهم بر زن تعلق را و چون مجنون یکسو شو
چه خواهی دید ازان ابرو چه خواهی یافت از [illegible]
جوانی رفت و پیری رفت و خود هم میرفت
هوای دودمان تا کی درین منزل سراسیمه
سرت گردم چه خواهد شد اگر در راه استغنا
جوی دانش اگر داری زبان در کام غیرت
بخلوت خانه پیچان لب منت مشو [illegible]
اگر از پرده غفلت برآئی [illegible] مغز از پوست
بیا در رفتگان یکدم نگاهی کن
هوای نفس سگ را خود [illegible] بخر دارد
مشو دلشاد ای [illegible] ز مرگ دشمن [illegible] خود

اگر خواهی که پیران را درین محفل جوان بینی
که چون دشمن شوی با خود عدو را مهربان بینی
اگر کشتی نشین باشی تو شان بادبان بینی
که دست سرو بالا را در آغوش خزان بینی
بایں رفتار میخواهی که راه مقصد نشان بینی
درین مقصد ره پایان تو راه کاروان بینی
زشور و شر اگر خواهی که خود را در امان بینی
که ناز حسن او را حسن ناز ترجمان بینی
هنوز ای دیده حسرت لب جوی روان آب بینی
در آئی چون درین منزل چراغ دودمان بینی
ز ابرو گوشه چشمی بسوی مخلصان بینی
ز دست این زبان تا کی زبان حال در جان بینی
در آن مجلس اگر خود را تو از ناجیان بینی
گلستان حقیقت را چنان اندر جهان بینی
که تا از چشم ایشان آب حسرت را روان بینی
که خط مغز را در عکس روی استخوان بینی
بیا و آور ازان روز که خود را درمیان بینی

تمت